بیادگار: محبوب العلماء والصلحاء

حضرت اقدس مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی قدس سرہ

قرآن وسنّت اور روایاتِ اسلافِ اُمّت کے آئینہ میں
راہِ تصوّف وسلوک کا قلمی ترجمان!

ماہنامہ

فیضانِ نقشبند

جلد (۱) شمارہ (۲) بابت ماہِ فروری، مارچ، اپریل ۲۰۲۶ء

مُدیر

مفتی سیّد احمد اللہ غوری نقشبندی مجدّدی

خانقاہ نقشبندیہ مجدّدیہ اورنگ آباد

www.ilmozikr.com

ایمان کی چار جنگ

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت اقدس مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی قدس سرہ

دینِ اسلام نے ایسی تعلیمات دیں جو قیامت تک کے ہر تقاضے کو پورا کرنے کے لیے کافی، وافی اور شافی ہیں۔ آج دنیا کانفرنسز اور سیمینارز کی باتیں کرتی ہے۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے ایک تصور دے دیا تھا کہ تم سارا سال اپنے کاموں میں مشغول رہو گے۔ کوئی Industrialist (صنعت کار) بنے گا، تو کوئی Businessman (تاجر) اور کوئی یونیورسٹیوں میں پروفیسر بنے گا، تو کوئی ہسپتالوں میں سرجن، تو ممکن ہے کہ اپنے اپنے کاموں میں مصروفیت کی وجہ سے تمہارا ایمانی جذبہ ٹھنڈا پڑ جائے اور ایمان کی بیٹری ڈاؤن ہو جائے۔ جس طرح (سیل فون) استعمال ہوتا رہے تو بیٹری ڈاؤن ہو جاتی ہے اور اسے پھر چارجر سے لگانا پڑتا ہے اسی طرح رب کریم نے بھی رمضان المبارک کا مہینہ ایمان والوں کے لیے ایمان کی چار جنگ کا مہینہ بنایا ہے، رمضان المبارک کی خاص بات یہ ہے کہ اس کے دنوں میں روزہ فرض کر دیا گیا ہے اور رات کو تراویح میں قرآن مجید سننا سنت بنا دیا گیا ہے۔ ان دونوں کاموں کا خود انسان ہی کو فائدہ ہوتا ہے۔ (اقتباس از: برکات رمضان، ص: ۵۹، ۶۰)

قرآن وسنّت اور روایاتِ اسلافِ اُمّت کے آئینہ میں
راہِ تصوّف وسلوک کا قلمی ترجمان!

ماہنامہ

فیضانِ نقشبند

جلد(۱) شمارہ(۲) بابت ماہِ فروری، مارچ، اپریل ۲۰۲۶ء

Volume No.: 1 Issue No.: 2 February, March April 2026

مُدیر

مفتی سیّد احمد اللہ غوری نقشبندی مجدّدی

مجلس ادارت

مفتی سیف اللہ قاسمی رائے چوٹی
مفتی محمد عمران قاسمی کورٹلوی
مولانا محمد عمر قاسمی کاماریڈی

خانقاہ نقشبندیہ مجدّدیہ اورنگ آباد

www.ilmozikr.com

اہم وضاحت

''ماہنامہ فیضان نقشبند کے تمام مضامین دراصل حضرت مدیر محترم مدظلہ کے مختلف بیانات اور دروس کی تحریری ترتیب ہے۔'' (ادارہ)

فہرست مضامین

قندیل ربانی (درسِ قرآن عظیم الشان)	ماہِ رمضان میں صدقاتِ نافلہ کا اہتمام	ضبط وترتیب مولانا محمد عمر قاسمی کاماریڈی	۴
نورِ نبوت (درسِ حدیث پاک)	دلوں کی اصلاح کی ضرورت	ضبط وترتیب مفتی سید عبدالرافع قاسمی	۹
سخن اوّلیں	ماہِ رمضان اور کچھ معروضات	مدیرِ محترم	۱۲
درسِ عقائد	عقیدہ توحید سب سے پہلا عقیدہ	ضبط وترتیب: مفتی سیف اللہ قاسمی صاحب	۲۸
اکابر شناسی	ماضی قریب کے مشائخ کی احسانی کیفیت کے چند نادر نمونے	ابوسید محمد اللہ غوری	۳۱
تعارفِ کتبِ تصوف	تا بہ منزل صرف دیوانے گئے	مفتی محمد عمران قاسمی	۳۷
خطوط ہائے راہِ معرفت	درس قصد السبیل	مفتی احمد اللہ غوری نقشبندی مجددی	۴۴
زبدۃ الکتاب	مثالی ازدواجی زندگی کے سنہرے اصول	مفتی احمد اللہ غوری نقشبندی مجددی	۵۳
سلوک کی ڈاک	ہدایۃ السالکین	ضبط وترتیب: مفتی محمد عمران کورٹلوی	۸۰
اصلاحی وتربیتی منظوم کلام	یہ ہے مرا اعزاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں	عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڑھیؒ	۸۴

قندیلِ ربّانی
(درسِ قرآنِ عظیم الشان)

ماہِ رمضان میں صدقاتِ نافلہ کا اہتمام

ضبط وترتیب: مولانا محمد عمر قاسمی کاماریڈی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَ الَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ
(سورۃ المعارج، آیت: ۲۴، ۲۵)

ترجمہ: ”اور کچھ لوگ ہیں جن کے مال میں ایک حق متعین ہے سوالی اور بے سوالی کا“

تشریح: صدقہ خیرات بڑی نیکی اور اہم ترین عمل ہے، اس کے دنیاوی فائدے بھی ہیں اور اخروی منافع بھی؛ چناں چہ صدقہ بلاؤں کو ٹالتا ہے، اور صدقہ سے رزق میں برکت ہوتی ہے، صدقہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کل مالیت خیرات کردیں؛ بلکہ ایک پیسہ دینا بھی صدقہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں چیز کی زیادتی اور کمی معیار نہیں رکھتی؛ بلکہ حسنِ نیت اور خلوصِ نیت دیکھی جاتی ہے۔

فرض صدقہ (جیسے زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر وغیرہ) تو اللہ پاک کا حق ہے، جن کے ذمہ واجب ہے، ان کے لیے ادا کرنا بہرحال ضروری ہے، علاوہ ازیں نفل صدقات کا بھی اہتمام ہونا چاہیے، خود بھی ادا کرنا اور بچوں کے ذریعہ بھی دلوانا چاہیے، یقیناً یہ بات سچ ہے کہ اللہ پاک نے جتنا مال ہمیں دیا ہے اس کے مقابل ہم بہت کم خرچ کرتے ہیں؛ جب کہ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: ”اور کچھ لوگ ہیں کہ جن کے مالوں میں ایک متعین حق ہے جو انہیں سائل (مانگنے والے) اور محروم (حاجت مند ہونے کے باوجود نہ مانگنے والے) کو دینا ہے“ اور احادیث مبارکہ سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ ”اللہ پاک کچھ لوگوں کو ان کی ضرورتوں سے زیادہ رزق اس لیے دیتے ہیں کہ وہ ضرورت مندوں پر خرچ کرتے ہیں کہ درحقیقت وہ ان کا رزق ہوتا ہے جو انہیں دیا جاتا ہے۔“

استاذ ابوہریرہ اکیڈمی، اورنگ آباد

اگر مال دار شخص غریبوں پر خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دیتے رہتے ہیں؛ لیکن اگر وہ غریبوں پر خرچ کرنا بند کر دے تو اللہ تعالیٰ دوسروں کو یہ ذمہ داری دے دیتے ہیں؛ چناں چہ دیکھا گیا کہ بعض لوگوں کے کاروبار لاکھوں، کروڑوں اور اربوں میں ہوتے ہیں، پھر یکا یک معاشی بحران آجاتا ہے اور سارا کچھ ڈوب جاتا ہے، پھر پھوٹی کوڑی کو ترستے ہیں اور کہتے ہیں کہ پتہ نہیں لاکھوں لوگوں سے لینے تھے، آج لاکھوں لوگوں کو دینے ہیں، وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ مال ان کا اپنا نہیں تھا، اللہ نے دیا تھا تاکہ وہ امین بن کر بندوں تک پہنچائیں؛ لیکن جب انہوں نے اس فرض میں کوتاہی کی تو اللہ نے دینا بند کر دیا۔ پھر انہیں بس ان کی ضرورت کا ملتا رہتا ہے؛ اس لیے جب اللہ تعالیٰ ضرورت سے زیادہ مال دیں تو تقاضوں کے مطابق اس کو اللہ تعالیٰ کی نسبت پر خرچ کریں۔

دین دار سمجھے جانے والے طبقے میں ایک عمومی کوتاہی:

یہ بات بالکل صاف الفاظ میں عرض ہے کہ دین دار طبقہ میں اکثر لوگ بخیل ہوتے ہیں، اور دنیا دار سمجھے جانے والے لوگ (جو نماز، روزہ کا بھی کوئی خاص اہتمام نہیں کرتے ہیں؛ لیکن) راہِ خدا میں دینے اور خرچ کرنے کے معاملہ میں عموماً سخی ہوتے ہیں، اور چھپے ہاتھوں صدقات دیتے ہیں۔ اور یہ جان لیں کہ اللہ پاک کسی کو خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

چھپا کر صدقہ کرنے والا شخص عرش کے سایہ میں:

سات خوش نصیب افراد جن کو کل قیامت کے دن عرش کا سایہ نصیب ہوگا، ان میں ایک وہ شخص بھی ہوگا جو ایسے چھپ چھپا کر صدقہ کرے کہ داہنے ہاتھ نے جو خرچ کیا اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلے "وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ إِخْفَاءً احَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ"
(صحیح البخاری/کتاب المحاربین/حدیث: ۶۸۰۶)

چناں چہ صدقہ خیرات کرنے کے معاملے میں غیر دین دار لوگ آگے ہوتے ہیں۔ اللہ پاک گناہ گار بندہ کو مال خرچ کرنے کی توفیق دیتے ہیں، کبھی اسے یہ خیال پیدا ہو کہ میں ایسی فسق وفجور والی زندگی میں مبتلا ہوں، صدقہ وخیرات سے مجھے کیا فائدہ ہوگا؟ تو نبی علیہ السلام کے ایک ارشاد گرامی سے اس کے اس خیال کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "سخی آدمی اللہ سے قریب ہے،

جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے اور جہنم سے دور ہے، بخیل آدمی اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے، اور جہنم سے قریب ہے، (پھر نتیجۃً فرمایا) جاہل سخی اللہ کے نزدیک بخیل عالم سے کہیں زیادہ محبوب ہے"۔

" اَلسَّخِيُّ قَرِيبٌ مِنَ اللهِ، قَرِيبٌ مِنَ الْجَنَّةِ، قَرِيبٌ مِنَ النَّاسِ، بَعِيدٌ مِنَ النَّارِ، وَالْبَخِيلُ بَعِيدٌ مِنَ اللهِ، بَعِيدٌ مِنَ الْجَنَّةِ، بَعِيدٌ مِنَ النَّاسِ، قَرِيبٌ مِنَ النَّارِ، وَلَجَاهِلٌ سَخِيٌّ أَحَبُّ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ عَالِمٍ بَخِيلٍ "

(سنن ترمذی/کتاب البر والصلۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/ حدیث: ۱۹٦۱)

اسی بات کو شیخ سعدیؒ نے یوں فرمایا۔

بخیل ار بود زاہد بحر و بر

بہشتی نباشد بحکمِ خبر

ترجمہ: بخیل اگرچہ پورے عالم میں سب سے بڑا زاہد (صوفی) ہوجائے لیکن حدیث کے مطابق جنتی نہیں ہوگا۔

بہت سارے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو روز آنہ پانچ سو یا ہزار روپیے بآسانی راہ خدا میں خرچ کرسکتے ہیں؛ لیکن ایک روپیہ بھی نہیں خرچ کرتے، ایک ہزار روپے خرچ کرنے کی استطاعت والا شخص مہینہ میں گویا تیس ہزار روپے خرچ کرسکتا ہے لیکن راہ خدا میں خرچ نہ کر کے حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی کررہا ہے، گویا اب وہ اللہ کا مقروض ہوگیا، اللہ کو قرضہ دینا ہے؛ لیکن نہیں دے رہا ہے، اور اللہ پاک نے قرضہ مانگا ہے، ارشاد فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً وَاللهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (سورۃ البقرہ، آیت: ۲۴۵)

ترجمہ: "کون ہے وہ جو اللہ تعالیٰ کو قرضۂ حسنہ دے، پھر اللہ پاک اسے کئی گنا بڑھا کر دیں گے، اللہ ہی تنگی اور فراخی پیدا کرتے ہیں اور اسی کی طرف تم لوگوں کو لوٹ کر جانا ہے"۔

اللہ کی مخلوق پر خرچ کرنے والا اللہ کا محبوب

پس راہِ خدا میں مال خرچ کرنے اور مخلوقِ خدا کے ساتھ رحم کا معاملہ کرنے والے لوگ اللہ پاک کو بہت پسند ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللهِ مَنْ

أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ (مشکوۃ المصابیح/کتاب الآداب/حدیث:۴۹۹۸)

ترجمہ: "ساری مخلوق اللہ پاک کا کنبہ اور فیملی ہے، جو شخص اللہ پاک کی فیملی کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ محبوب بن جاتا ہے۔"

آخری درجہ میں ہر مسلمان کی (کم ازکم) یہ تمنا تو ہونی چاہیے کہ" کاش میرے پاس مال ہوتا تو میں مالی امداد اور صدقہ وخیرات کرتا" اور اس کے لیے دعائیں بھی کرنا چاہیے۔

مالی خدمات میں ایک بہترین ترتیب

مال خرچ کرنے میں بالخصوص اپنے والدین کی فکر کریں اور ان کو سب سے مقدم رکھیں، پھر اپنے اساتذۂ کرام اور مشائخِ عظام کی فکر کریں۔کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی عالم دین دینی خدمات کے حوالے سے بہت قربانیاں دیتا ہے، اس کے ہاتھ پر بہت سے شاگرد بھی تیار ہو جاتے ہیں، پورے علاقے کو وہ فیض پہنچاتا ہے اور ساری دنیا اس کی خدمات کا اعتراف واقرار بھی کرتی ہے، پھر وہ دنیا سے چلا جاتا ہے تو پیچھے ان کے بچوں کا کوئی پرسانِ حال ہی نہیں ہوتا، اور توجہ دلائی جائے تو لوگ کہتے ہیں کہ وہ اپنے باپ کی طرح (نیک) نہیں ہیں ان کے باپ کیسے تھے؟ اور یہ کیسے ہیں؟ اس سے ہمیں کیا مطلب! ہم ان کے بچوں کی خدمت کر کے اپنے استاذ کے احسانات کا رائی برابر بھی بدلہ نہیں چکا پائیں گے، استاذ کا بیٹا چاہے فاسق اور فاجر ہی کیوں نہ ہو، ہمیں بس یہ دیکھنا چاہیے کہ استاذ زادوں کی خدمت ہو رہی ہے تو کافی ہے۔

بڑوں کی اولاد اور ان کے گھروں کو بڑوں کی نسبت سے دیکھنا چاہیے، اور اللہ پاک نے کوئی ذمہ اور گارنٹی نہیں لی کہ ولی کی پوری نسل ولی ہوگی، نبی کی پوری نسل نبی نہیں ہوتی تو ولی کی پوری نسل ولی کیسے ہوگی؟ اور عالم کی پوری نسل عالم نہیں ہوتی، پس خدمت مقصود ہونی چاہیے۔

ماہِ رمضان میں ہاتھ کھلا رکھنا چاہیے:

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں رمضان المبارک آتے ہی جن کاموں میں اضافہ ہو جایا کرتا تھا ان میں ایک "سخاوت" بھی ہے، اور ہمارے یہاں پورا رمضان نکل جاتا ہے، تہجد گزار اور اوّابین کے پابند شخص کو بھی خرچ کرنے کی عموماً توفیق نہیں ہوتی، اور دوسری طرف بعضے روزہ نہ رکھنے

والے لوگ روزآنہ کئی کئی روزہ داروں کو افطار کرواتے ہیں، پانی کی سبیلیں لگاتے ہیں، سحر کا انتظام کرتے ہیں، کپڑے تقسیم کرتے ہیں، یہ اللہ پاک کی طرف سے بڑا عجیب معاملہ ہے۔

اخفاء کے ساتھ غریبوں کی عید کی ذمہ داری لیجئے

ہر متوسط شخص ایک غریب آدمی کی (کم از کم) عید کرواسکتا ہے، کوئی کوئی دو لوگوں کی عید کروا سکتے ہیں اور بعضے تو تین لوگوں کی عید کا خرچ بھی اپنے ذمہ لے سکتے ہیں۔ ایسے چھپتے چھپاتے کہ داہنے ہاتھ نے کیا دیا، اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلے، اس انداز سے خرچ کرنا چاہیے، یہ نہیں کہ رمضان کِٹ کے نام سے، راشن کِٹ کے نام سے، عید پیکج کے نام سے، اور اعلان کرکے کہ ایک صاحب نے فلاں گلی میں فلاں جگہ اتنے اتنے راشن کِٹ تقسیم کیے ہیں، اس سے کیا خاک ملے گا؟ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ہمارے جس عمل کے بارے میں لوگوں کو پتہ چل جاتا ہے تو ہم اس کو شمار ہی نہیں کرتے؛ اس لیے کہ ہمارا یہ یقین ہے کہ جب لوگوں کو پتہ چل گیا تو اب اس میں اخلاص نہیں رہا؛ لہٰذا ہم اس عمل کو شمار ہی نہیں کرتے" اور یہاں تو شمار کروانے کی مصیبت ہے، اخبارات میں چھاپ چھاپ کر، سوشل میڈیا پر نشر کرکے، ارے! اللہ کا ایسا بندہ بننا چاہیے کہ ہمارے اور اللہ کے درمیان کچھ ایسا عمل بھی تو ہو، جس کو سوائے ہمارے اور اللہ کے کوئی اور نہ جانے۔

دل کی سخاوت اللہ اور اس کے محبوب علیہ السلام کو اتنی پسند ہے کہ ایک دفعہ نبی علیہ السلام کے پاس کچھ قیدی آئے، ان میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ نبی علیہ السلام کو جب پتہ چلا کہ یہ حاتم طائی کی بیٹی ہے (جو اپنے زمانے کا بہت بڑا سخی تھا) آپ نے اس بچی کو آزاد کردیا اور یہی نہیں بلکہ اس کی گزارش پر اس کے پورے قبیلہ کو بھی آزاد کردیا۔ (**معرفة الصحابة لأبي نعيم الأصفهاني، حدیث: ۷۰۵۴**)

خلاصہ یہ کہ ہر شخص کو اپنا جائزہ لینا چاہیے اور مال خرچ کرنے کے معاملے میں حسب استطاعت آگے بڑھنا چاہیے۔

☆☆☆

نورِ نبوت

(درسِ حدیث شریف)

دلوں کی اصلاح کی ضرورت

ضبط وترتیب: مفتی سید عبدالرافع قاسمی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ صَخْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَىٰ أَجْسَامِكُمْ وَلَا إِلَىٰ صُوَرِكُمْ، وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ (رَوَاهُ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا کہ ''بے شک اللہ پاک نہیں دیکھتے ہیں تمہارے جسموں کو، اور نہ تمہاری صورتوں کو؛ بلکہ اللہ تعالی تمہارے دلوں کواورتمہارے اعمال کودیکھتے ہیں۔''

اس حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے اعمال کے ساتھ دلوں کی اصلاح کی تعلیم دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہمارے جسموں اور ہماری صورتوں کی کوئی پرواہ نہیں۔ جسموں کا اچھا ہونا اور صورتوں کا خوبصورت ہونا معیارِ کامیابی یا معیارِ نجات نہیں ہے۔ کوئی کالا ہو یا گورا، لمبا ہو یا پستہ قد، عیب دار جسم والا ہو یا خوبصورت جسم کا مالک، چاہے جیسا ہو، جس خطے اور جس ملک کا بھی باشندہ ہو، اللہ کے یہاں اس کا کوئی اعتبار نہیں، جسم کے اعتبار سے کوئی فیصلہ اللہ کے یہاں نہیں ہوگا۔ اسی مضمون کو زبانِ رسالت مآب ﷺ نے یوں بیان فرمایا: أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، إِلَّا بِالتَّقْوَى (مسند الامام أحمد، رقم الحديث: ۲۳۴۸۹)

ترجمہ: ''کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی

استاذ ابوہریرہ اکیڈمی اورنگ آباد

کالے کو کسی گورے پر (محض عربی، عجمی اور گورے یا کالے ہونے کی بناء پر) کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔"

کتنے کبارِ علماء ایسے گزرے ہیں جو خوش اندام اور خوبصورت تو نہیں تھے مگر اللہ نے ایسا مقبول بنایا تھا کہ دلوں پر بادشاہت کیا کرتے تھے۔ حضرت امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ (ابو محمد سلیمان بن مہران اعمش اسدی کابلی ۶۱-۱۴۸ھ) کی ایک آنکھ چندھیاتی تھی، تیز دھوپ میں نہیں دیکھ پاتے تھے مگر "شیخ المحدثین" کا لقب پایا۔

حضرت امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ (ابو سعید عبد الملک بن قریب الاصمعی البصری (۱۲۰-۲۱۵ھ) اتنے سیاہ تھے کہ کوئی پہلی نظر میں ان کو دیکھتا تو چہرہ پھیر لیتا مگر "حجۃ الأدب" اور "لسان العرب" کہلائے، لغت میں آپ کا قول حرفِ آخر کا درجہ رکھتا ہے۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ مشہور تابعی ہیں، آپ اتنے پستہ قد تھے کہ سواری پر بیٹھ کر بھی پستہ قد ہی معلوم ہوتے تھے؛ مگر ایسے بڑے عالم کہ بادشاہِ وقت نے حکم جاری کر دیا تھا کہ عطاء بن ابی رباح کے علاوہ کوئی دوسرا عالم فتویٰ دینے کی کوشش کرے گا تو جیل میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ تو صرف بہ طورِ مثال ہے؛ ورنہ ان جیسے بے شمار اللہ کے بندے ایسے گزرے ہیں جو بہ ظاہر خوبصورت نہیں تھے؛ مگر اپنی مقبول دینی خدمات کے سبب دلوں کے بادشاہ اور حکمران تھے۔

ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کو ہمارے جسموں اور صورتوں کی کوئی پرواہ نہیں؛ بلکہ وہ صرف ہمارے اعمال اور ہمارے دلوں کو دیکھتے ہیں۔ اسی لیے اپنے اعمال اور قلوب کی اصلاح کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔

اعمال کا دلوں سے تعلق:

حدیثِ مبارکہ میں اعمال کو قلوب کے ساتھ جوڑا گیا ہے، جو اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ قلوب کی درستی و اصلاح سے صرفِ نظر کر کے محض اعمال کا سنوارنا کچھ کام نہ دے گا۔ صرف عمل کی اصلاح کا کوئی فائدہ نہیں جب تک دل کی اصلاح نہ ہو۔ یہی مضمون نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں بیان فرمایا: أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً، إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (صحیح البخاری، کتاب الایمان، حدیث: ۵۲)

ترجمہ: انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ایسا ہے اگر وہ ٹھیک ہو تو پورا جسم ٹھیک رہے گا اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم فساد زدہ ہو جائے گا۔ سن لو! وہ ٹکڑا دل ہے۔

جب دل کی اصلاح ہو جائے گی اور وہ سنور جائے گا تو جسم سے صادر ہونے والے اعمال بھی ٹھیک ہوں گے؛ اس لیے کہ تمام روحانی بیماریوں کا تعلق دل سے ہی ہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے دلوں پر محنت کی تھی، ان کے دلوں میں اللہ کی محبت کو داخل کر دیا تھا، نتیجۃً وہ ہر موقعے پر احکاماتِ الٰہی کی پابندی کرتے تھے۔

دل کے جاری ہونے کا مطلب؟

پھر جب دل کی اصلاح ہو جاتی ہے اور اس میں اللہ کی محبت جاگزیں ہو جاتی ہے تو مشائخ فرماتے ہیں کہ قلب جاری ہو گیا۔ ہمارے حضرت جی حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ قلب کے جاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جسم کے روئیں روئیں سے شریعت زندہ ہو جائے، اگر یہ نصیب نہ ہو تو دل کے جاری ہونے کا کوئی مطلب نہیں، چاہے دل زور زور سے دھک دھک کیوں نہ کرے۔ اسی طرح اتباعِ سنت کے بغیر بھی قلب کے جاری ہونے اور قلب میں ذکر کے راسخ ہونے کا کوئی مطلب نہیں۔ اور یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ یہ سب باتیں اہلِ دل کی صحبت کے التزام اور ان کی جوتیاں سیدھی کرنے پر موقوف ہیں۔

☆☆☆

سخنِ اوّلیں

ماہِ رمضان اور کچھ معروضات

از: مدیر

ماہِ رمضان کے فضائل تو تقریباً سبھی جانتے ہیں؛ لیکن ان کا استحضار نہ ہونے کی وجہ سے ماہِ مبارک کے تقاضوں پر عمل نہیں ہو پاتا اور جیسے اس کی قدر ہونی چاہیے وہ نہیں ہو پاتی، چناں چہ ویسے ہی خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں جیسے بھری پُری دکان کے سامنے خالی جیب والا آدمی رہ جاتا ہے کہ وہ کچھ خرید نہیں پاتا۔

ایسے ہی ماہِ رمضان میں بہت سے احباب چاہتے ہوئے بھی کچھ حاصل نہیں کر پاتے؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ ماہِ مبارک کے آنے سے پہلے مطلوبہ تیاری نہیں کرتے، مثلاً نظام العمل تیار نہیں کرتے کہ ماہِ مبارک کو کیسے گذارنا ہے؟ ظاہری بات ہے کہ جب آدمی نظام اور پلان نہیں بنائے گا تو پھر وہ محرومی کا ہی رونا روئے گا۔ رمضان شریف میں خود کا ذرا جائزہ لیں کہ ماہِ مبارک کے دن ورات گذر رہے ہیں؛ لیکن تکبیرِ اولیٰ کا اہتمام نہیں ہو رہا تو قصور رمضان المبارک کا نہیں؛ قصور ہمارا ہے، قصور ہمارے اعذار اور مصروفیات کا نہیں ہے؛ قصور ہماری اپنی ذات کا ہے کہ ہم ماہِ مبارک کو عام دنوں کی طرح گذار دیتے ہیں؛ حالاں کہ ماہِ مبارک کو تو دنیا سے دور، آخرت سے قریب ہو کر گذارنا چاہیے تب کچھ حاصل ہوگا، ہمارے جتنے کام ہیں (کھانا پینا، سونا جاگنا اور دیگر ضروریات و تقاضے) سب دنیا ہیں، خود سوچیں کہ ماہِ مبارک کی مناسبت سے ان کو کس قدر کم کیا جاتا ہے؟ دوستوں اور تعلق رکھنے والے احباب سے ملنے ملانے میں کتنی کمی ہوتی ہے؟ جب تک اس طرح سنجیدگی اور مکمل استحضار کے ساتھ نظام نہیں بنائیں گے تو یہ رمضان المبارک بھی گذشتہ رمضانوں کی طرح گزر جائے گا اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

اللہ پاک ماہِ مبارک کی ناقدری سے ہم سب کو بچائے رکھیں، آمین۔

ماہِ رمضان کی دو اہم خصوصیات:

ماہِ رمضان بڑا ہی بابرکت مہینہ ہے، اس مہینہ کی دو خصوصیات ہیں: (۱) ماہِ غفران، یعنی مغفرت اور بخشش والا مہینہ۔ (۲) ماہِ قرآن۔ تینوں لفظ (رمضان، غفران اور قرآن) ملتے جلتے اور ہم وزن ہیں، ماہِ رمضان میں اگرچہ روزہ بھی ہے! اور اسی سے اس کی پہچان ہے، روزہ ماہِ مبارک کا فرض عمل اور اسلام کا ایک اہم رکن ہے؛ جیسے نماز، زکوۃ اور حج مستقل رکن ہیں۔

روزہ ماہِ مبارک کی اصل خصوصیت ہے۔ اس کے علاوہ اس میں مزید دو باتیں (ایک مغفرت اور دوسرے قرآن) ہیں؛ اگر کسی کو ماہِ مبارک میں ان دو چیزوں سے مناسبت ہوگئی یعنی گناہوں کی بخشش اور تلاوتِ کلام پاک کی توفیق مل گئی تو گویا اس کو رمضان مل گیا اور اس نے رمضان کو وصول کرلیا۔

جس کے بارے میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی بددعا پر آمین کہی کہ "وہ شخص جس کو ماہِ مبارک ملے اور پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہو تو وہ ہلاک و برباد ہو جائے"۔ ان میں شامل ہونے سے ان شاء اللہ ایسا شخص بچ جائے گا جس نے ماہِ مبارک کی قدر کرلی۔

ماہِ رمضان ماہِ قرآن:

ماہِ رمضان کا قرآن عظیم الشان سے خصوصی تعلق ہے۔ اس مبارک مہینے میں قرآن عظیم الشان کی تلاوت نیز معانی و مفہوم کو سمجھنے اور قرآن پر عمل سے خوب مناسبت ہو جانی چاہیے، ماہِ رمضان کو اس اعتبار سے ماہِ قرآن کہا جاتا ہے کہ اللہ پاک نے کلام پاک کو ماہِ مبارک میں نازل فرمایا ہے، اللہ پاک نے جیسے آسمان کو ستاروں سے سجا کر رونق بخشی اور خوبصورت بنایا ایسے ہی ماہِ رمضان کو قرآن پاک سے رونق بخشی اور سجایا۔ اس لیے ایک سچے مومن کی پہچان یہ ہے کہ ماہِ مبارک آتے ہی اس کا تلاوتِ قرآن سے خصوصی شغف اور دلچسپی بڑھ جائے، کتنے مسلمان ایسے ہیں جو پورے ماہِ مبارک میں ایک قرآن بھی نہیں پڑھ پاتے؛ جب کہ (ماشاء اللہ) بہت سے خوش نصیب افراد ایسے بھی ہیں جو ماہِ مبارک میں روزآنہ کے اعتبار سے ایک قرآن پاک ختم کرلیتے ہیں، اب اگر کوئی یہ کہے کہ ہمیں ویسے پڑھنا نہیں آتا (کہ ہم روزآنہ ایک کلام پاک ختم کرلیں) تو یہ ہماری محرومی والی بات ہے، ہماری کوتاہی اور کاہلی کا نتیجہ ہے کہ ہم نے اتنی عمر ہو جانے کے باوجود کلام پاک کو ایسا پڑھنا نہیں سیکھا کہ

روزآنہ ایک قرآن کریم ختم کرسکیں۔

بچپن سے ابھی قریب تک (ماہِ مبارک میں) یہ ماحول دیکھنے کو ملتا تھا کہ تقریباً ہر روزہ دار کے ہاتھ میں کلام پاک ہوا کرتا تھا اور وہ مستقل اس کی تلاوت میں مشغول رہتا تھا؛ حتیٰ کہ بعضے لوگ تو اس قدر منہمک ہوا کرتے تھے کہ انہیں افطار کرنے کے لیے بار بار کہنا پڑتا تھا کہ افطار کا وقت ہو رہا ہے ،آجایئے! لیکن دھیرے دھیرے زمانہ ایسا بدلا کہ اب یہ صورت حال دیکھنے کو مل رہی ہے کہ قرآن سے گویا کوئی مناسبت ہی نہیں ہے، پورا پورا دن گزر رہا ہے نہ زبانی تلاوت ہو رہی ہے اور نہ دیکھ کر کچھ پڑھ رہے ہیں، تلاوتِ قرآن سے اس قدر دوری اور محرومی کی اہم ترین وجہ گناہوں کی نحوست ہے۔

قرآن کریم اللہ کا کلام ہے:

قرآن عظیم الشان کے بارے میں نبی علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا: ”تَبَرَّكْ بِالْقُرْآنِ فَإِنَّهُ كَلَامُ اللهِ وَخَرَجَ مِنْهُ“ (طبرانی)

”تم اللہ تعالیٰ کے کلام سے برکت حاصل کرو اس لیے کہ وہ براہِ راست اللہ پاک کی زبان سے نکلا ہوا کلام ہے“ کہ اللہ پاک نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو پڑھ کر سنایا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی علیہ السلام کو پڑھ کر سنایا۔

پتہ چلا کہ حفظِ قرآن کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ استاذ پڑھے اور طالب علم سنے، پھر ویسے ہی نقل کرے، دیکھ کر پڑھنا بھی سیکھنا چاہیے! وہ تو حفظِ قرآن سے پہلے لازمی چیز ہے؛ لیکن اصل حفظ کا طریقہ یہ ہے کہ استاذ پڑھے، طالب علم سنے پھر نقل کرے، عرب میں یہی طریقہ رائج ہے، اس لیے وہاں پر ایک استاد کے جتنے شاگرد ہوتے ہیں ان کا لحن اور طرز ایک ہی ہوتا ہے، ہمارے ہاں ایک استاذ کے کئی شاگرد ہوتے ہیں ان سب کے پڑھنے کا انداز الگ الگ ہوتا ہے؛ وجہ یہ ہے کہ ہم استاذ کے لہجے کی نقل نہیں کرتے۔

قابلِ رشک ہے وہ شخص:

قرآن عظیم الشان اللہ کا براہِ راست کلام ہے، اسی لیے تلاوت کے آداب میں یہ بات بتائی جاتی ہے کہ اللہ پاک تلاوت کرنے والے سے یہ فرماتے ہیں کہ سناؤ کیسے سناتے ہو؟ میں اپنا کلام سننا

چاہتا ہوں، تم پڑھو! میں بھی دیکھوں کہ کیسے پڑھتے ہو؟ اب ظاہر سی بات ہے کہ پڑھنے کے لیے ویسا منہ اور ویسی زبان بھی تو ہو، ہمارے منہ سے جھوٹ، گالی، غیبت، چغلی اور پتہ نہیں کیا کیا خرافات و واہیات نکلتی رہتی ہیں اور ہم اسی گندے منہ سے کلام پاک پڑھنا چاہیں گے تو اللہ پاک کی مرضی ہے کہ چاہیں تو ہمیں پڑھنے دیں اور چاہیں تو روک دیں۔ اگر توفیق نہیں ہو رہی ہے تو یہ سوچنا چاہیے کہ یہ گناہوں کا اثر ہے کہ مجھے تلاوتِ کلام پاک کی توفیق نہیں ہو رہی ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ''قابلِ رشک ہے وہ شخص جس کو اللہ پاک نے قرآن عظیم الشان پڑھنا سکھایا ہو (چاہے وہ زبانی پڑھتا ہو یا دیکھ کر) اور وہ اس کی تلاوت میں رات دن لگا رہتا ہے تو یہ شخص اس لائق ہے کہ اس پر رشک کرنا جائز ہے کہ کاش! اس کی جگہ میں ہوتا اور میں بھی ایسے ہی دن رات خوب تلاوت کیا کرتا''۔ ''لَا تَنَافُسَ بَيْنَكُمْ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ أَعْطَاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُومُ بِهِ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ، فَيَتَتَبَّعُ مَا فِيهِ، فَيَقُولُ الرَّجُلُ لَوْ أَعْطَانِيَ اللّٰهُ مثل مَا أَعْطَى فُلَانًا، فَأَقُومُ بِهِ مثل مَا يَقُومُ فُلَانٌ'' (معجم صغیر للطبرانی/کتاب التفسیر وفضائل القرآن/حدیث: ۱۰۹۸)

ترجمہ: ''رشک سوائے دو لوگوں کے کسی اور پر نہیں کیا جا سکتا (ان میں سے) ایک شخص وہ ہے جس کو اللہ پاک نے قرآن مجید کا علم دیا ہو اور وہ اس کو دن رات پڑھتا رہتا ہو اور اس میں موجود احکامات کی پیروی کرتا رہتا ہو تو کوئی اسے دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ کاش اللہ مجھے بھی اس طرح عنایت فرماتے جس طرح اسے عنایت فرمایا ہے تو میں بھی اس پر فلاں کی طرح عمل کرتا ہوں۔''

تلاوتِ قرآن اس قدر فضیلت کی چیز ہے اور تلاوت کرنے والے کے منہ سے خوشبو آتی ہے۔ (خطبات فقیر: ج:۱۱، ص ۶۰) سچی بات یہ ہے کہ ہم لوگ تلاوت سے بہت دور ہیں، ماہِ مبارک کی ان قیمتی گھڑیوں کو تلاوتِ قرآن سے مزید خوبصورت بنانا چاہیے۔

ایک مہینہ تو ایسا ہونا چاہیے:

سال کے بارہ مہینوں میں ماہِ رمضان ہی ایک ایسا مہینہ ہے کہ اس کے لیے پَر لگا کر اُڑنے کی اصطلاح بھی کم ہے، اس سے بھی زیادہ رفتار کے ساتھ ماہِ مبارک گزر جاتا ہے؛ چناں چہ اس کو وصول کرنا اور قدر کرنا ہی اصل کامیابی ہے، جب کبھی ماہِ رمضان کی اہمیت اور عظمت کی روشنی میں بات

سمجھائی جاتی ہے تو لوگ کہنے لگتے ہیں کہ آئندہ سے پکا اہتمام کریں گے؛ حالاں کہ عقل مند آدمی موجودہ وقت پر نظر رکھتا ہے، نہ کہ آگے کے بارے میں سوچ کر فکرمند اور پریشان ہوتا ہے اور نہ ہی پیچھے کو لے کر افسوس اور ماتم کرتے بیٹھتا ہے؛ بلکہ وہ موجودہ وقت کو غنیمت جانتا ہے، اگر کوئی یہ کہے کہ اگلے رمضان سے دیکھوں گا ان شاء اللہ! تو اُسے سمجھ لینا چاہیے کہ اگلا رمضان آپ کے اختیار میں نہیں ہے جو مل گیا وہی غنیمت ہے۔ اللہ پاک نے ہمیں ماہِ مبارک نصیب فرمادیا اس کا شکر ادا کرنا چاہیے اور شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس مہینے کو وصول کرنے میں اپنے آپ کو تھکا دیں، زندگی میں ایک رمضان تو ایسا گزرے کہ ہم اس میں تھکیں، ہمیں خود بھی تھکن کا احساس ہو، جب بندہ تھکتا ہے تو پھر اللہ پاک کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

حضرت جی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ''ہمیں اللہ پاک نے یہ جسم اس لیے دیا ہے کہ ہم نیکی کر کر کے تھکیں اور پھر تھک کر نیکی کریں۔'' ایسا نہیں ہے کہ تھک گئے تو عبادت کی چھٹی ہوگئی نہیں! تھک کر پھر وہی کام کرنا ہے جس کام کو کر کے تھکے ہیں۔

ایک مہینہ تو ایسا ہونا چاہیے کہ جس میں تھکن کا احساس ہو، ایسا نہیں کہ بس یہ فکر ہو کہ نیند کیسے پوری ہوجائے اور صبح سے شام تک بھوکا پیاسا رہا ہوں تو افطار کے بعد تلافی کیسے کروں؟ بہر حال ماہِ رمضان کو اپنی زندگی کا مثالی رمضان بنانا چاہیے۔

روزہ سببِ صحت وقوت

ڈاکٹر حضرات کی تحقیق کے مطابق ماہِ مبارک ایسا مہینہ ہے کہ اگر بندہ اس مہینے میں اپنی غذا اور کھانے پر کنٹرول کرلے تو پورا سال صحت مند رہے گا۔ روزہ دراصل صحت بنانے کے لیے ہے نہ کہ بگاڑنے کے لیے، جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ روزہ رکھنے سے کمزوری ہوجاتی ہے وہ دراصل ناواقف لوگ ہیں، اگر ذرا سا بھی علم ہوتا تو کبھی اس طرح کی بات نہیں کہتے، روزہ سے صحت بنتی ہے، بگڑتی نہیں، روزہ سے قوت آتی ہے، کمزوری نہیں آتی، روزہ سے انسان کا immune system (قوتِ مدافعت) مضبوط ہوتا ہے۔ خوب بھوک پیاس برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، بھوکا پیاسا رہ کر جاگ کر دماغ کو بیدار رکھ کر اپنے آپ کو مشغول رکھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

صرف سفر اور مرض میں ترکِ صوم کی اجازت

بہت سارے لوگ یہ سوچ کر کہ گرمی بہت زیادہ ہے، اتنی شدید گرمی میں روزہ رکھ کر کیسے کام کریں گے! روزہ چھوڑ دیتے ہیں۔ شرعی مسئلہ کے اعتبار سے تو ایک فیصد بھی اس عذر کی بنا پر روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے؛ کیوں کہ روزہ فرض ہے، اللہ پاک نے خود ہی ارشاد فرمادیا کہ تم کو اگر بیماری ہو یا تم مسافر ہو تو الگ بات ہے، اللہ پاک نے خود ہی ان لوگوں کا استثناء کیا ہے جو روزہ نہیں رکھ سکتے؛ کیوں کہ اللہ سے زیادہ انسانی فطرت اور طبیعت کو جاننے اور سمجھنے والا کوئی دوسرا نہیں ہے، پس اللہ پاک نے جہاں جہاں سمجھا کہ یہ روزہ رکھ نہیں پائے گا، مشکل ہوگی تو وہاں خود ہی کہہ دیا کہ اجازت ہے ؛لیکن روزہ کی چھٹی نہیں ہوئی، جب صحت مند ہو جاؤ تو قضا کرنا پڑے گا، ایسے ہی سفر سے واپس آجائیں تو قضا کرنا ضروری ہے؛ لیکن اس کے باوجود بھی اگر کسی میں یہ قوت ہو کہ باوجود بیماری اور سفر کے روزہ رکھ سکتا ہے تو رکھنا چاہیے، آج کل کے سفر بڑے آرام دہ سفر ہیں، کوئی دقت طلب سفر نہیں ہے کہ کڑی دھوپ میں پیدل چل رہے ہیں اور ایسے طریقہ سے سفر طے ہو رہا ہے کہ بارش سے بچ سکتے ہیں نہ دھوپ سے بچ سکتے ہیں، پریشانی ہو جائے گی۔ اب ایسے تو سفر نہیں رہے۔ اگر کوئی عمرے کے سفر پر جائے تو جہاز سے اسے جانا ہے، روزہ رکھنے کے اعتبار سے اس کو کونسی مشقت آنے والی ہے؟ وہ اپنے علاقے سے لے کر مکہ مکرمہ تک روزہ رکھ سکتا ہے، اور اگر کوئی شوگر، بلڈ پریشر کا مریض ہے (یا کوئی اور مرض ہے) جو زندگی بھر اس کے ساتھ لگا ہوا ہے اب اس کو دیکھے گا تو کبھی روزہ نہیں رہ پائے گا؛ لیکن سفر کرتے ہوئے وہ چیز (بیماری) زیادہ ہو جاتی ہے، سفر کے دوران اس میں اضافہ ہو جاتا ہے تو ایسی حالت میں فقہاء اور علماء کرام سے پوچھ لیں اور ان کی ہدایت کے مطابق عمل کریں۔

حضرات علماء کرام سے پوچھیں

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ" باوجود یہ کہ میں خود فتویٰ دیتا ہوں، دوسروں کو مسئلہ بتاتا ہوں اور مجھے علم بھی ہے؛ لیکن جب اپنی ذات کا مسئلہ آتا ہے تو میں ہرگز بھی اپنی رائے پر اعتبار نہیں کرتا، میں مفتیان کرام سے پوچھتا ہوں پھر عمل کرتا ہوں" ہم لوگ تو نہ مفتی ہیں نہ عالم ہیں اور روزے کے بارے میں خود ہی فیصلہ کر لیتے ہیں کہ گرمی بہت سخت ہے؛ لہذا میں روزہ نہیں

رکھوں گا، طبیعت ایسی ہے؛ لہٰذا روزہ نہیں رکھوں گا، اس طرح کرنا ٹھیک نہیں ہے، حضرات مفتیان کرام سے جا کر پوچھیں کہ میری یہ situation ہے میں روزہ رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟ سمجھ نہیں پا رہا ہوں، آپ فیصلہ فرما دیجیے تو وہ فیصلہ فرمائیں گے۔

ترکِ صوم کا بڑھتا مزاج

روزہ اس قدر اہمیت کا حامل عمل ہے؛ لیکن اس وقت امت میں ایک تعداد لوگوں کی ایسی بھی ہے جو بلا عذر شرعی روزہ نہیں رکھتی، اس بات کا اندازہ عاجز کو مشاہدے کے طور پہ نہیں تھا، ایک معتبر شخص نے عاجز سے بتایا کہ پچھلے سالوں میں لوگ بڑے ذوق وشوق سے روزہ رکھا کرتے تھے، گھر میں بچے سحری میں نہ اٹھائے جانے پر ناراض ہوا کرتے تھے، اور کبھی کبھی بغیر سحری کے ہی روزہ رکھ لیا کرتے تھے اور جو سحری میں اٹھ نہیں پاتا تھا وہ کسی بھی حالت میں روزہ نہیں چھوڑتا تھا، چاہے پانی کا ایک گھونٹ کیوں نہ ہو پی کر روزہ رکھتا تھا وغیرہ وغیرہ، اب وہ ماحول نہیں رہا۔ سب چیزیں تقریباً ختم ہو چکی ہیں، اب لوگ اپنی مرضی سے کبھی روزہ رکھ رہے ہیں اور کبھی نہیں رکھ رہے ہیں، حد درجہ حیرت ہوئی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مسلمان روزہ چھوڑنے والے کب سے ہو گئے؟ ہم تو سمجھ رہے تھے کہ چاہے (اعمال کے اعتبار سے) جتنی ہی گری ہوئی حالت ہو روزہ تو ہر مسلمان رکھتا ہے، بھلے تلاوت نہیں ہو رہی ہے، دعا کا اہتمام نہیں ہو رہا ہے، گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہیں ہو رہا ہے وغیرہ؛ لیکن روزہ کا اہتمام تو ہر شخص کرتا ہے، افسوس کا مقام ہے! حالاں کہ روزہ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے اور ماہِ مبارک کا فرض ہے، روزہ اپنی جگہ پر اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی جان بوجھ کر بغیر کسی عذر کے ماہِ مبارک کا ایک روزہ چھوڑ دے پھر پوری زندگی روزہ رکھتا رہے تو بھی وہ پوری زندگی کے روزے اس ایک روزہ کا بدل نہیں بن سکتے۔ (سنن ترمذی، کتاب الصیام، عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۷۲۳) رمضان المبارک کے ایک روزہ کی اتنی اہمیت ہے۔

بعض فقہاء کرام نے تو یہ ارشاد فرمایا: کہ رمضان کے روزے کی قضا ہی نہیں ہوتی ہے، چھوٹ گیا سو چھوٹ گیا، اگر قضا رکھو گے تو وہ قضا کا اعتبار نہیں۔ لیکن جمہور فقہاء کا یہ مسلک ہے کہ روزے کی قضا رکھنے سے فرض ذمے سے ادا ہو جاتا ہے، اب ماہِ رمضان کے روزے کی جگہ اسے قبول

کرنا یا نہ کرنا اور ثواب دینا یا نہ دینا اللہ کی مرضی ہے، ذرا سوچیں کہ اتنی آسانی سے اتنا اہم روزہ کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ جن حضرات سے یہ کوتاہی ہوئی ہے یا ہو رہی ہے وہ صدقِ دل سے توبہ کریں، اللہ پاک کی جناب میں معافی مانگیں، روئیں، دھوئیں، جو روزے چھوٹے ہیں ان کی قضا کرنے کا پختہ عزم کریں اور آئندہ ایک بھی روزہ نہ چھوڑیں!

ذرا سوچیں کہ روزہ رکھنے سے زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا؟ جان پہ بن آئے گی؛ حالاں کہ ایسا نہیں ہوتا ہے، کسی کی جان کے لالے نہیں پڑتے، اگر روزہ رکھنے سے جان پر بن آ بھی گئی اور مر گیا تو اچھا ہی ہے، اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ کتنے لوگ ہیں جو روزہ کی حالت میں مرنے کی تمنا اپنے دلوں میں رکھتے ہیں، پس مختصر یہ کہ روزہ ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیے۔

مؤمن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

روزہ دراصل اللہ پاک کی مرضی کو پورا کرنے کا نام ہے کہ اللہ پاک چاہتے ہیں کہ جب میں نے اپنے بندہ کو یہ حکم دیا کہ تم نہ کھاؤ نہ پیو! شام تک رکے رہو، بس یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ بندہ رکتا ہے یا نہیں، بندگی نام ہے اس بات کا کہ اگر وہ حکم دیں کہ یہ کام کرو تو کرنا ہے، وہ کہیں کہ رک جاؤ تو رکنا ہے، ان کی مرضی پورا کرنے کا نام ہی اسلام ہے، اسلام کا مطلب: اللہ رب العزت کے حکم کے آگے سر جھکا دینا، اپنے آپ کو surrender کر دینا ہے، بس وہ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اگر تم واقعی مسلمان ہو تو میں سال بھر میں ایک ایسا مہینہ تمہیں دے رہا ہوں کہ اس مہینے میں روزہ رکھو، تو ہم روزہ رکھنے والے بنیں، اگر نہیں رکھیں گے تو ان کا تو کچھ نہیں بگڑے گا، ہمارا بگڑے گا، جیسے بہت سارے لوگ سال بھر میں پانچ نمازیں باقاعدہ پابندی کے ساتھ نہیں پڑھتے تو اس میں اللہ کا کچھ نہیں بگڑتا ہے۔

یہ عقل مندی ہے یا بے وقوفی؟ ذرا غور کریں

بعضے احباب کے ذریعہ یہ بات بھی پتہ چلی کہ لوگوں نے یہ کہا کہ "روزہ رکھو تو ساری چیزوں سے بچنا پڑے گا اور وہ مشکل ہے، میری تجارت ہے، جھوٹ کے بغیر کام نہیں چلتا، پس اگر روزہ رکھوں گا تو سچ کے ساتھ تجارت کرنی پڑے گی پھر تو میرا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، مجھے تجارت میں جھوٹ لازماً بولنا پڑتا ہے، اس لیے میں روزہ نہیں رکھتا" عجیب منطق ہے۔ یہ کونسی philosophy ہے کہ روزہ رکھ کر

مجھے جھوٹ سے بچنا پڑے گا اور جھوٹ کے بغیر میری تجارت نہیں ہوتی؛ لہٰذا میں روزہ نہیں رکھوں گا، یہ تو بڑی اچھی بات تھی کہ آپ روزہ رکھتے اور جھوٹ سے بچتے، سچ کی تجارت کرتے اور رمضان المبارک کو ایک ذریعہ بنا لیتے اللہ کے قریب ہونے کا، گناہ سے دور بھاگنے کا، نفس وشیطان کے طریقے سے بچنے کا، کاش! یہ سوچ کر روزہ رکھ لیتے تو کتنا اچھا ہوتا، اس کے برعکس سوچ رکھ کر روزہ نہ رکھنا بہت بڑی بے وقوفی ہے، یہ کوئی عقل مندی نہیں ہے۔ پس روزہ بھی رکھیں اور تمام گناہوں سے بھی بچیں؛ اس لیے کہ نبی علیہ السلام نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ ”جو شخص (روزہ کی حالت میں) جھوٹ بولنا، فریب کرنا اور جہالت کی باتیں کرنا نہ چھوڑے تو اللہ پاک کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے۔“ ”مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ وَالْجَهْلَ، فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ“ (صحیح البخاری/ کتاب الادب/ باب قول اللہ تعالی: واجتنبوا قول الزور، حدیث: ۶۰۵۷)

جیسے کبھی کبھی کھانا سالن خراب ہو جاتا ہے، تو اس میں سڑان جیسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، بدبو آتی ہے، مزہ بدل جاتا ہے، چناں چہ وہی چیز جس سے انسان پیٹ بھرتا ہے اور مزے لے لے کر کھاتا ہے وہ کبھی ایسی خراب ہو جاتی ہے کہ بدبو آجاتی ہے تو ٹھیک اسی طرح روزے میں گناہ کرنے سے روزے میں بھی بدبو آجاتی ہے، اس بدبو سے اللہ کو تکلیف ہوتی ہے، اللہ پاک کی طبیعت سب سے زیادہ نازک ہے، انسانوں میں بھی بعض لوگ نازک طبیعت کے ہوتے ہیں، ان کو ہلکی سی بو بھی برداشت نہیں ہوتی، اللہ پاک تو اللہ پاک ہیں۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ”جو شخص (کچی) لہسن یا پیاز کھائے ہوئے ہو تو وہ ہم سے دور رہے یا (یہ کہا کہ اسے) ہماری مسجد سے دور رہنا چاہیے اور اسے اپنے گھر میں ہی بیٹھنا چاہیے“ ”أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا أَوْ قَالَ فَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا وَلْيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ“ (صحیح البخاری/ کتاب الاذان (صفۃ الصلوۃ)/ حدیث: ۸۵۵)

اس میں حکمت یہ ہے کہ اس کی بو سے فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے، یہ دراصل اللہ کا مزاج ہے،

فرشتوں کو اس لیے تکلیف ہوتی ہے کہ اللہ کو تکلیف ہوتی ہے، اور گناہوں کی وجہ سے روزے میں بدبو آتی ہے؛ اس لیے روزہ رکھنا چاہیے اور گناہوں سے بچنا بھی چاہیے۔

ماہِ غفران میں حصولِ مغفرت کے لیے کوشاں رہیں

اللہ پاک نے ماہِ رمضان کو ہمارے لیے ماہِ غفران بنایا، ماہِ غفران کا مطلب بخشش کا مہینہ ہے، اس مہینہ میں بخشش نہ کروانے پر حضرت جبرئیل علیہ السلام کی سخت ترین بددعا کرنے کی وجہ سمجھنا چاہیے، اس کی وجہ کے بارے میں اگر یوں کہا جائے کہ انسان کو جو زندگی ملتی ہے (چاہے جتنے سال کی ہو) اس پوری زندگی میں سب سے بہترین موقع (حج میں میدانِ عرفات کے علاوہ) صرف ماہِ رمضان ہے تو بالکل درست ہوگا، اس کے علاوہ کوئی اور موقع ایسا نہیں ہے، پس اللہ ربّ العزت نے اپنے بندوں کو معاف کرنے کے لیے یہ مہینہ دیا ہے اور پھر مغفرت کے کئی بہانے بنائے ہیں: سب سے بڑا بہانہ یہ کہ شیطان کو قید کر دیا، اب شیطان اپنی شیطانیت دکھا نہیں سکتا کہ بندے اس کے پیچھے جائیں اور اس کی پیروی کریں اور رمضان سے محروم رہیں۔

اس طرح بندوں کو بخشنے کا ایک اور بہانہ یہ ہے کہ: ماہِ مبارک کے دن رات ایسے دیے کہ اس کی ہر رات اور دن میں ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ اللہ پاک اَن گِنت بندوں کو جہنم سے بَری فرماتے ہیں اور ماہِ مبارک کے چوبیس گھنٹوں میں ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ جس میں بندہ چاہے جو مانگ لے اللہ پاک سن لیں گے۔ اب اس گھڑی کے بارے میں پتہ لگانا ہمارا کام تھا کہ وہ کونسی گھڑی ہے؟ لیکن نبی علیہ الصلوۃ والسلام (چونکہ رؤف الرحیم ہیں، سب کے لیے بڑے شفیق و مہربان ہیں، تو) آپ نے ہماری آسانی کے لیے فرمادیا کہ تہجد اور افطار کے وقت دعا کا خصوصی اہتمام کریں کہ ان دو وقتوں میں دعا قبول ہو جائے گی۔

لہٰذا تہجد اور افطار کے وقت آدھا آدھا گھنٹہ دعا کا اہتمام کرنا چاہیے، (آدھا گھنٹہ کم از کم وقت ہے، اس سے زیادہ کی توفیق ہو جائے تو بہت اچھا ہے) اور اگر پورے آدھے گھنٹے کی توفیق نہیں ہو رہی ہو تو جتنا وقت مل جائے وہ غنیمت ہے؛ لیکن یہ کہ عین افطار کے وقت موبائل دیکھتے رہنا، موبائل میں مشغول رہنا، باتیں کرتے رہنا، بازار میں خریداری کرنا مؤمن صادق کا کام نہیں ہو سکتا، اس عاجز کا

تو خیال ہے کہ یہ کام وہی بندہ کرسکتا ہے جس نے صرف زبان سے ٹوٹے پھوٹے انداز میں کلمہ پڑھا ہو، باقی اسے ایمان کی ہوا بھی نہیں لگی ہے، کیوں کہ ماہِ مبارک کا اتنا قیمتی وقت مردوں کا جو بازار میں صرف ہوتا ہے اور خواتین کا جو کچن (باورچی خانوں) میں صرف ہوتا ہے اور مرد حضرات بازاروں میں وقت لگا کر اور عورتیں پکوان میں وقت لگا کر یہ بتانا چاہتے ہیں گویا کہ روزہ تو افطار کے لیے رکھے ہیں۔

روزہ کس کے لیے؟

نبی علیہ السلام نے حدیث قدسی بیان فرمائی جس میں اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں کہ الصَّوْمُ لِی (صحیح البخاری/کتاب التوحید/حدیث: ۷۴۹۲)

ترجمہ: "روزہ خالص میرے لیے ہے" سوال یہ ہے کہ نماز، زکوٰۃ اور حج وغیرہ عبادات بھی تو اللہ ہی کے لیے ہیں تو روزے کی کیا خصوصیت ہے؟ حضرات محدثین کرام فرماتے ہیں کہ روزہ کی خصوصیت یہ ہے کہ روزہ ایسی خالص عبادت ہے کہ ظاہری طور پر کسی کے روزہ دار ہونے کی کوئی علامت نہیں ہوتی ہے، ہاں! ماہِ مبارک چلنے کی وجہ سے سبھی کے بارے میں حسن ظن کرتے ہیں کہ ہر مسلمان روزہ دار ہوگا؛ لیکن کوئی ضروری نہیں ہے، بعض لوگ واقعی مجبوری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھے ہوں گے؛ لیکن کس نے روزہ نہیں رکھا اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں کہ وہ کون ہے؟ ایسے ہی کس نے روزہ رکھا ہے اس کے بارے میں بھی نہیں جانتے، اس لیے اللہ پاک نے فرمایا کہ یہ (روزہ) خالص میرے لیے ہے کہ اس کا پتہ صرف مجھے چلتا ہے یا بندہ کو چلتا ہے۔

بہ وقتِ افطار دعائے مغفرت کا خاص اہتمام کریں

ماہِ مبارک کے آنے سے پہلے یہ طے کرلیں کہ افطار سے آدھا گھنٹہ پہلے کا وقت صرف اللہ کے لیے ہے، اس میں اگر پورے آدھے گھنٹے میں دعا کے لیے وقت نہ لگے تو درود شریف پڑھنا چاہیے، تلاوت اور استغفار کرنا یا کوئی اور ذکر میں مشغول رہنا چاہیے، کچھ نہ سہی تو خاموش رہنا چاہیے۔ ایک مختصر سی دعا ہے جو افطار کے وقت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے: "یَا وَاسِعَ الْفَضْلِ اغْفِرْ لِی" "اے بے پناہ فضل فرمانے والے اللہ! مجھے معاف فرمادیجیے" (مسند الشہاب/حدیث: ۱۰۳۱)

نبی علیہ السلام عین افطار کے موقع پر اللہ پاک سے مغفرت اور بخشش مانگنا سکھا رہے ہیں،

پتہ چلا کہ ایک مؤمن بندہ کو سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت پڑتی ہے وہ اللہ پاک سے اپنے گناہوں پر معافی کا پروانہ ہے،اس لیے عین افطار کے موقع پر یہ دعا سکھائی گئی ہے۔

ماہِ مبارک میں چار کام بطورِ خاص کریں

رمضان المبارک کی بابرکت گھڑیوں میں اپنی زبان کو ذکرِ الٰہی سے تر رکھنا چاہیے، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے بطورِ خاص ذیل میں دیے گئے اذکار وردِ زبان رہیں۔"لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَ أَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ "۔ (صحیح ابن خزیمۃ/ فی باب فضائل شهر رمضان:۱۸۸۷)

اس حدیث مبارکہ میں چار چیزیں بتائی گئی:

(۱) کلمہ کی کثرت۔

(۲) استغفار کا زیادہ سے زیادہ اہتمام،أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ کے ذریعہ اپنے گناہوں سے معافی مانگیں اور عرض کریں کہ اے اللہ! پورا سال جانوروں والی اور بے حیائی والی زندگی گزری ہے، اب ماہِ مبارک بھی بے حیائی میں گزر رہا ہے، اس میں بھی میری کیفیت میں تبدیلی نہیں آرہی ہے؛ لہٰذا معافی مانگتا ہوں بخش دیجیے۔ اللہ پاک کو بندے کی طرف سے عاجزی اور ذلت بہت پسند ہے، بندہ جتنا اپنے آپ کو اللہ پاک کے سامنے ذلیل کرتا ہے اللہ پاک کو اس بندے پر اتنا ہی پیار آتا ہے، اتنا ہی اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

(۳) اللہ پاک سے یہ بھی کہنا کہ "أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ " "اے اللہ! میں آپ سے جنت کا سوال کرتا ہوں" جنت مانگنا چاہیے؛ اس لیے کہ ہم محتاج ہیں، جہنم اور عذابِ جہنم کو جھیل نہیں پائیں گے، کمزور بندے ہیں، اللہ سے جنت کی بھیک مانگنی چاہیے۔

(۴) جنت کے سوال کے ساتھ یہ بھی مانگیں کہ "وَأَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ " "اور میں جہنم سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں" بندوں کو جہنم سے آزاد کرانے میں رمضان المبارک کا بہت بڑا دخل ہے؛ جیسے ایک گھڑی ایسی آتی ہے جس میں اللہ پاک ایسے لوگوں کو (جن پر جہنم واجب ہوچکی ہوتی ہے) جہنم سے بری فرما دیتے ہیں؛اس لیے اللہ سے جہنم سے آزادی کی بھیک مانگنی چاہیے۔

ماہِ مبارک کے قیمتی عشروں کو ضائع نہ کریں

اللہ پاک نے ماہِ مبارک کی ایسی ترتیب رکھی ہے کہ اس کا پہلا عشرہ رحمت والا ہے، عشرۂ رحمت کے بارے میں اکابر نے یہ فرمایا کہ جو بندے پہلے سے نیکوکار متقی اور پرہیزگار ہوتے ہیں ان کے ساتھ تو اللہ پاک کا رحمت والا معاملہ ہوتا ہے؛ لیکن ہم نے اللہ تعالیٰ سے بھیک مانگنا ہے کہ "اے اللہ! رحمت کی جو بارش ان نیک بندوں پر ہو رہی ہے اس کی کچھ چھینٹیں ہم پر بھی پڑ جائیں، (یعنی ہمیں بھی ان کے طفیل رحمت کی چھینٹوں سے نواز دیجیے۔

اور دوسرا عشرہ عشرۂ مغفرت ہے، ویسے تو پورا مہینہ ہی مغفرت کا مہینہ ہے؛ لیکن دوسرے عشرہ کو بطورِ خاص مغفرت کا اس لیے کہا گیا کہ اس میں اللہ پاک گناہ گار بندوں کے گناہوں کو معاف فرماتے ہیں اور انہیں اپنے نیک بندوں میں شامل فرمالیتے ہیں، یہ اتنا اچھا موقع ہوتا ہے؛ لہٰذا ہم اللہ پاک کے دربار میں اپنی معافی کروالیں؛ خدانخواستہ اگر یہ عشرہ بھی چلا جائے تو گویا ہم عشرۂ رحمت اور عشرۂ مغفرت دونوں کو بھی یوں ہی ضائع کرنے والے مجرم ٹھہریں گے، لیکن ناامید ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے؛ قربان جائیں اللہ پاک کی شانِ کریمی پر کہ انہوں نے اپنی شانِ کریمی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے کہا کہ جو شخص دو عشرے ضائع کر دیا ہو تیسرا عشرہ تو میں نے ایسے ہی لوگوں کے لیے رکھا ہے جن پر میں نے اپنے اعتبار سے جہنم واجب کردی ہے، میں انہیں جہنم سے آزاد کردوں گا، پس تیسرا عشرہ: جہنم سے آزادی کا ہے، جن لوگوں پر جہنم واجب ہے انہیں اللہ پاک جہنم سے خلاصی نصیب فرماتے ہیں، ہر شخص کو یہ سوچنا چاہیے کہ تیسرا عشرہ تو میرے لیے ہے۔

پہلا عشرہ بھی ہم نے وصول نہیں کیا، دوسرے کو بھی ضائع کر دیا تو تیسرا تو ہمارے لیے (آخری موقع) ہے، خدانخواستہ تیسرا بھی اگر ایسے گزر گیا کہ جہنمیوں کی صف سے نہ نکل سکے تو پھر ہم سے بڑا کوئی محروم نہیں؛ اسی لیے نبی علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی بددعا پر آمین فرمایا کہ اللہ پاک کی طرف سے اتنی لوٹ سیل لگی ہوئی ہے کہ اللہ پاک نوازتے بھی ہیں، معاف بھی کرتے ہیں، نیکیوں کا ریٹ بڑھا دیتے ہیں، وغیرہ وغیرہ؛ لیکن اس کے باوجود اگر ماہ مبارک کسی شخص پر سے ایسے گزر جائیں کہ اس کو ماہ مبارک کی ہوا بھی نہ لگے تو ظاہر سی بات ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جیسے

مقدس ترین فرشتے کا بددعا کرنا بھی جائز ہے اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی شخصیت کا آمین کہنا بھی جائز ہے، اتنی سخت وعید کی اصل وجہ یہ ہے کہ اتنا سب کچھ کرنے کے بعد بھی ماہِ مبارک کے ساتھ یہ سلوک ہو تو کوئی عذر باقی نہیں رہ جاتا، روزہ دار کے لیے تو فرشتے بھی مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں،

"اَلصَّائِمُ اِذَا اُكِلَ عِنْدَهُ الطَّعَامُ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ"

(سنن ابن ماجہ/کتاب الصیام/حدیث:۱۷۴۸)

ترجمہ: ''روزہ دار کے سامنے جب کھانا کھایا جائے (اور وہ صبر کرے) تو فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔''

گویا اللہ پاک مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اس کے باوجود تمہیں رونا دھونا یاد نہیں آیا؟ جس شخص کے آنسو پورے سال بھر میں نہیں نکلے وہ رمضان المبارک میں نکالیں، رمضان المبارک میں بھی اگر رونا نصیب نہیں ہوا تو پھر کب ہوگا؟ رونے کا سب سے بہترین موقع دعا ہے، دعا کے لیے ہاتھ اٹھیں، انسان کے آنسوں رواں ہو جائیں، یہ آنسو بڑے قیمتی ہوتے ہیں، سمندر کے سمندر بھی ایک آنسو کے سامنے قطرہ ہیں، گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں، آسمان کی بلندیوں کو چھونے والے کیوں نہ ہوں اور پہاڑوں کے برابر وزنی کیوں نہ ہوں، چاہے جیسے ہوں ناامید اور مایوس ہونے کی ضرورت نہیں؛ اللہ پاک کے سامنے رولیں، منالیں، اللہ پاک ضرور معاف فرمائیں گے۔

موبائل کے بے جا استعمال سے پرہیز کریں

ماہِ رمضان اللہ کا عظیم ترین تحفہ ہے، ماہِ مبارک کی قدر کریں، اس کے ایک ایک لمحے کو غنیمت جانیں؛ ہرگز بھی ضائع نہ کریں اور جو چیزیں ہمیں اس ماہِ مبارک میں بھی اللہ سے قریب ہونے سے روک رہی ہیں ان چیزوں سے یک دم دور ہو جائیں، ان میں ایک اہم چیز "موبائل" ہے، (اللہ پاک معاف فرمائیں) ماہِ مبارک میں بھی یہ دیکھا جاتا ہے کہ مسجد میں بھی موبائل ہے، افطار کے وقت بھی موبائل ہے، رات بھر موبائل ہے، لہذا موبائل کا بے جا استعمال کر کے قیمتی اوقات ضائع نہ کریں، اس کو بقدرِ ضرورت استعمال کریں۔

نوجوانوں سے کچھ باتیں

آخر میں نوجوانوں سے یہ بات ہے کہ عام طور سے شہروں میں (اب تو دیہاتوں میں بھی) یہ صورت حال ہونے لگی ہے کہ نوجوان لڑکے رات بھر سڑکوں پر مٹر گشتی کرتے رہتے ہیں، رمضان شریف سڑکیں ناپنے کے لیے اور گاڑیوں کا پٹرول ضائع کرنے کے لیے نہیں ہے، کتنے نوجوان ہیں جو tripel riding کرتے ہیں؛ بلکہ چار چار کو بھی بیٹھے ہوئے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، ایک تو ماہِ مبارک کی قیمتی راتیں ہوتی ہیں، تین تین، پانچ پانچ پاروں کے نام پر تراویح تو ضائع کرتے ہی ہیں، پھر پتہ نہیں کہ کیسی پڑھی؟ پھر اس کے بعد یوں سمجھا کہ تراویح کی چھٹی ہوگئی۔

ایک اہم بات یاد رکھیں کہ جو لوگ شبینے پڑھتے ہیں، ان پر تراویح معاف نہیں ہوتی، تراویح پورے ماہِ مبارک میں بیس رکعت سنتِ مؤکدہ ہے، اگر کسی کو پورے مہینہ میں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنے میں دشواری پیش آتی ہو کہ وہ مکمل قرآن کریم نہیں سن سکتا، ایک پارہ یا سوا پارہ بھی نہیں سن سکتا تو آلَمْ تَرَ سے پڑھیں، اور کچھ مسجدیں ایسی بھی ہونی چاہیے جہاں پورا قرآن (بے شک) نہ پڑھا جائے؛ مختصر قرآن پڑھا جائے، آدھے گھنٹے میں تراویح ہوجائے؛ لیکن تراویح ہو، یہ زیادہ اہم سنت ہے، تراویح میں قرآن عظیم الشان کا ختم کرنا ایک الگ سنت ہے۔ اس کے ساتھ ملی ہوئی سنت نہیں ہے کہ اگر قرآن پاک ختم کرسکتے ہوں تو ہی تراویح پڑھیے، ختم نہیں کرسکتے ہو تراویح نہیں ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے، تراویح بڑی ہی اہم ترین اور زیادہ فضیلت والی سنت ہے، ہماری صورت حال یہ ہے کہ ایک تو تراویح نہیں پڑھتے، دوسرے یہ حرکتیں جو بجائے خود غلط ہیں، تیسرے یہ کہ اپنے عمل سے ہم برادرانِ وطن کو کیا پیغام دے رہے ہیں؟ کہ رمضان ہمارے یہاں آوارہ گردی سکھانے کے لیے آتا ہے کہ ہم رمضان المبارک میں مٹر گشتی کریں گے، سڑکیں ناپیں گے، ہوٹلیں آباد کریں گے، مستی اور چیخ پکار کریں گے، سڑکوں پر چلنے والوں کو تکلیف دیں گے، نوجوان ایسے طریقے سے گاڑی چلاتے ہیں کہ کوئی بوڑھا بیچارہ پیدل جا رہا ہو یا گاڑی پر وہ پریشان ہوجاتا ہے، تھوڑی دیر کے لیے balance out ہو کر گر بھی سکتا ہے، اس طرح کی حرکتیں کریں گے تو یہ رمضان آپ کے لیے وبال بنے گا، آپ کے لیے ماہِ غفران بھی ماہِ مصیبت اور ماہِ زحمت بن جائے گا؛ اس لیے ایسی چیزوں سے بچیں، triple

riding ویسے بھی قانون کے خلاف ہونے کے علاوہ safety کے خلاف ہے، اور safety کے تعلق سے تو خود قرآن عظیم الشان بتا تا ہے کہ "وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ" (سورہ بقرہ، آیت ۱۹۵:) ترجمہ: "اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو" یعنی ایسی حرکت نہ کرو کہ آپ کو نقصان ہو؛ اسی لیے خودکشی حرام ہے، جان بوجھ کر اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا اسی لیے حرام ہے کہ یہ اسلامی اصول کے خلاف ہے، اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنے کی ایک آسان مثال سمجھیں کہ جیسے کوئی شخص زیادہ کھانا ایسے طریقے سے کھایا کہ بیمار ہو گیا اور ڈاکٹر نے کہا کہ بے احتیاطی کی وجہ سے یہ معاملہ ہوا ہے تو اب اس نے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالا، اسی لیے اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: "كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ" (سورۃ الاعراف، آیت :۳۱) "کھاؤ، پیو (یہ تو صحیح ہے) لیکن اسراف نہ کرو" اسراف کا یہی مطلب ہے کہ ایسے نہ کھاؤ کہ تمہیں پریشانی ہو جائے، تو یہ safety rules کے خلاف ہے، اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا کون سی عقل مندی کی بات ہے؟ اور پھر قانون کے خلاف بھی تو ہے۔

اور شرعی نقطۂ نظر سے یہ مسئلہ یاد رکھیں کہ جو قانون قرآن و سنت سے نہ ٹکرائے اس پر عمل کرنا واجب ہے؛ چاہے وہ کسی کی بھی طرف سے ہو۔

حاصلِ کلام

خلاصۂ کلام یہ کہ ایسی حرکتیں نہ کریں جس سے اسلام یا مسلمان بدنام ہوں، مسجدیں بدنام ہوں اور ایسی حرکتیں نہ کریں کہ ہماری وجہ سے کوئی بے قصور سیدھا سادہ آدمی گرفت میں آجائے اور وہ بلا وجہ ایسے پھانس دیا جائے کہ جائز کام بھی نہ کر سکے۔ اس لیے ان تمام حرکتوں سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔

اللہ پاک ہر مسلمان کو ماہِ مبارک کی بھرپور قدردانی کی توفیق عطا فرمائے اور اس ماہِ مبارک کو صحیح معنیٰ میں ہمارے لیے ماہِ غفران اور ماہِ قرآن بنانے کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

☆☆☆

درس عقائد

عقیدۂ توحید سب سے پہلا عقیدہ

قسط (۲)

ضبط و ترتیب: مفتی سیف اللہ قاسمی صاحب

عقیدۂ توحید سب سے پہلا عقیدہ:

ایک مؤمن کے لیے جن باتوں کو سچے دل سے ماننا اور مکمل پختگی کے ساتھ یقین کرنا ضروری ہے وہ شرعاً عقائد کہلاتے ہیں؛ چناں چہ اللہ پاک کے تعلق سے سب سے پہلا عقیدہ عقیدۂ توحید ہے یعنی "اللہ پاک ایک اکیلے ہیں، ان کا کوئی شریک نہیں" اسی کو عربی زبان میں یوں کہا جاتا ہے: "إِنَّ اللّٰهَ وَاحِدٌ لَا شَرِيكَ لَهُ" اللہ پاک ذات کے اعتبار سے بھی اکیلے ہیں اور صفات کے اعتبار سے بھی اکیلے۔

وَاحِدٌ اور اَحَدٌ کے درمیان فرق:

عربی لغت میں ایک کے عدد کو بتانے کے لیے دو الفاظ استعمال ہوتے ہیں (۱) وَاحِدٌ (۲) اَحَدٌ۔ اللہ پاک نے اپنے لیے دونوں لفظ استعمال فرمائے ہیں؛ چناں چہ لفظ وَاحِدٌ کا استعمال کرتے ہوئے فرمایا: اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ "تمہارا معبود صرف ایک ہے" اور سورۃ الاخلاص میں اپنی یکتائی و اکائی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ "اے پیغمبر! آپ فرما دیجئے کہ وہ اللہ ایک اکیلا ہے" (وَاحِدٌ، اَحَدٌ) دونوں صفاتی نام ہیں؛ البتہ دونوں میں پہلا فرق یہ ہے کہ وَاحِدٌ (ایک) کے بعد اِثْنَانِ (دو) آسکتا ہے، لیکن اَحَدٌ کے بعد کسی دوسرے کا تصور ممکن نہیں، پس اَحَدٌ کی جگہ وَاحِدٌ تو استعمال ہوسکتا ہے؛ لیکن وَاحِدٌ کی جگہ اَحَدٌ استعمال نہیں ہوسکتا۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ اگر کسی کا نام عبد الواحد ہو تو اسے واحد پھر بھی کہا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ واحد اور وحید (یہ نام) بندوں کے لیے بغیر عبد کے لاحقے کے استعمال ہوسکتے ہیں؛ لیکن اگر کسی کا نام

استاذ المعہد العالی الاسلامی پلمنیر

عَبْدُ الْاَحَدْ ہوتو اسے عبد کے لاحقے کے ساتھ ہی کہنا ہوگا؛ صرف آحَدْ استعمال نہیں ہوسکتا؛ اس لیے کہ آحَدْ ایسے یکتا وتنہا کو کہتے ہیں جس کا کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا اور وہ صرف اللہ پاک کی ذات ہے؛ اس لیے "آحَدْ" بغیر عبد کے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ پاک ذات میں بھی اکیلے ہیں اور صفات میں بھی:

پس عقیدۂ توحید مذہب اسلام کا بنیادی عقیدہ اور ایک اہم ترین رکن ہے، اسی سے ایمان کی ابتدا ہوتی ہے جیسے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ (اللہ پاک کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) اس کا عقیدہ رکھنا از اول تا آخر فرض ہے۔

اگر کسی کو اللہ پاک کی یکتائی (اللہ پاک اکیلے ہیں، ان کا کوئی شریک نہیں، اس بات) میں ذات وصفات کے اعتبار سے ہلکا سا بھی شبہ ہو تو وہ فوراً شرک کے گڑھے میں گر جاتا ہے، اور مشرک ایسا شخص ہوتا ہے کہ جس کی کبھی بھی مغفرت نہیں ہوگی؛ الا یہ کہ وہ توبہ کے بعد مرے۔ نیز اگر کسی نے اللہ پاک کو تو مان لیا؛ لیکن واحد اور احد ہونے کو نہیں مانا تو وہ مؤمن اور موحد نہیں ہوگا؛ بلکہ شرعاً وہ مشرک ہی کہلائے گا۔

پس اللہ پاک اپنی ذات میں بھی اکیلے ہیں اور صفات میں بھی، ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ صفات میں بندے بھی تو شریک ہوسکتے ہیں؟ جیسے رحیم بندے کو بھی کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے قرآن عظیم الشان میں فرمایا گیا: بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (سورۃ التوبہ، آیت: ۱۲۸) جب کہ رَءُوْفٌ اور رَّحِيْمٌ (دونوں) اللہ کے صفاتی نام ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے: کہ رَءُوْفٌ اور رَّحِيْمٌ ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی جیسی صفت ہے ویسی مثال بندہ کی نہیں ہوسکتی، چاہے وہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں، یہ عقیدہ نہیں رکھ سکتے کہ جیسے رحمن اللہ ہیں، ویسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہیں، ہاں! اللہ پاک کی صفتِ رحمانیت کا ہلکا سا مظہر بندہ بن سکتا ہے، جیسے ماؤں کو ان کی اپنی اولاد کے حق میں یہی کہا گیا کہ وہ دنیا میں اللہ پاک کی صفتِ رحمانیت کا مظہر ہیں، نظیر نہیں، مظہر ہونا الگ چیز ہے اور نظیر ہونا الگ، دونوں میں فرق ہے۔

اللہ پاک کے نام: ذاتی اور صفاتی:

رب اور معبود ہونے کے اعتبار سے بھی اللہ پاک اکیلے ہیں؛ نیز اپنے ناموں کے اعتبار سے بھی اللہ پاک اکیلے ہیں، قرآن عظیم الشان میں ارشاد فرمایا: وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (سورۃ الاعراف، آیت:۱۸۰)"اور اللہ پاک کے اچھے اچھے نام ہیں، ان کے ذریعے تم اللہ پاک سے مانگو"

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ پاک کے ننانوے نام ہیں، جو ان کو یاد رکھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا" "إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا، مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ أَحْصَيْنَاهُ: حَفِظْنَاهُ" (صحیح البخاری/کتاب التوحید/حدیث: ۷۲۹۲)

اللہ پاک کے نام دو طرح کے ہیں، (۱) ذاتی، وہ صرف ایک نام ہے "اللہ" یہ ذاتی نام ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ "اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کیجیے" ذاتی نام ایک ہی ہے باقی صفاتی ہیں۔ صفاتی نام وہ ہیں جو قرآن و سنت میں آئے ہوئے ہیں، ذاتی نام ہو کہ صفاتی نام ہو، سب کے بارے میں عقیدہ یہ ہے کہ وہ سب صحیح ہیں، غلط کوئی نہیں۔ ہم سچے دل سے ان ناموں پر یقین رکھتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ بے شک اللہ پاک کے جو نام ہیں اور ان کے جو معانی ہیں وہ سب اللہ پاک میں موجود ہیں۔ پس انہی ناموں سے اللہ کو یاد کر سکتے ہیں۔ اور جو نام اللہ کا نہیں ہے اس سے پہلے "عبد" نہیں لگا سکتے؛ جیسے "نبی" اللہ کا نام نہیں ہے لہٰذا عبد النبی کہنا غلط ہے۔

☆☆☆

اَکابر شناسی

سلسلہ نمبر (۲)

ماضی قریب کے مشائخ کی احسانی کیفیت کے چند نادر نمونے

ابو سید محمد اللہ غوری

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

ہر انسان خوبیوں و خامیوں سے مرکب ہے۔ اس میں خیر بھی ہے اور شر بھی، اچھائیاں بھی ہیں اور کمزوریاں بھی، بھلائی و نیکی بھی ہے اور برائی و بدی بھی؛ لیکن واقعہ یہ ہے کہ فطرتِ انسانی کی کمزوریوں میں سے ہی ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنی غلطیوں کے اقرار و اعتراف میں چشم پوشی اور مسامحت سے کام لیتی ہے؛ چناں چہ یہ حقیقت ہے کہ نفس کی اٹھان ہی اس پر ہوئی ہے کہ وہ ابھرنے، جتانے، آگے بڑھنے، خود کو تسلیم کروانے، اپنا سکہ جمانے اور اپنی بات منوانے پر اصرار کرتا ہے۔ اس کے بجائے دبنے، ماننے، چُھپنے، پیچھے رہنے اور خود کو مٹانے کی کیفیت اور مزاج بڑی ریاضت اور مسلسل محنت کے بعد ہی بن پاتا ہے اور یہ بھی اسی وقت ممکن ہے جب کہ نفس کا تزکیہ، نفسانی مکائد کے کسی ماہر نبض شناس (شیخِ کامل) اور روحانی امراض کے کسی ماہر طبیب (مرشد) کی زیر نگرانی ہو۔

چنانچہ نفس کے مذموم اور ناپسندیدہ احوال سے چھٹکارا پانا اور قلب کو صفاتِ حمیدہ سے آراستہ کرنا ہی کامیابی کا اصل معیار ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا (سورۃ الشمس، آیت: ۹)

ترجمہ: ”یقیناً وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا۔“

لہٰذا اپنے نفس کے تزکیہ کے حوالے سے مسلسل کوشش میں لگے رہنا، اپنے آپ کو اچھے اخلاق اور عمدہ صفات سے آراستہ کرنے کے لیے ہر دم فکر مند رہنا، ہر گھڑی اور ہر لمحہ اپنے گفتار و کردار، اعمال و

افعال اور حرکات وسکنات کا احتسابی جائزہ لیتے رہنا اور ہر وقت یادِ الٰہی سے اپنے اوقات کو معمور رکھنے کا نام ہی تصوف وسلوک ہے۔

اسی بات کی جانب اشارہ کرنے کے لیے قرآن و حدیث میں "تَزْکِیَہ، الْإِحْسَانُ، الذِّكْرُ الْكَثِيرُ، التَّقْوَى، كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ، كُونُوا رَبَّانِيِّينَ اور إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، جیسی مختلف بلیغ تعبیرات استعمال ہوئی ہیں۔

سچ ہے کہ جب انسان خدا کے مطلوبہ معیارِ بندگی کے لیے سچی تربیتی جدوجہد کرتا ہے تو پھر رفتہ رفتہ نفسانیت کے خول سے آزاد ہوتا جاتا ہے اور اسی اعتبار سے للّٰہیت کی کیفیت اس کو حاصل ہوتی جاتی ہے۔ چناں چہ اس کی "للّٰہیت" کے خارجی مظاہر جب کبھی عامۃ الناس کے مشاہدے یا مطالعے میں آتے ہیں عقل حیران رہ جاتی ہے اور ذہن میں اسلام کے عہدِ اولیں کی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔

ہمارے اکابر بھی، جن کے ہم نام لیوا ہیں اور جن کے دستر خوانِ علم کے ہم خوشہ چیں ہیں، نفسانیت کے خول سے آزاد تھے اور للّٰہیت کی پاکیزہ صفت سے متصف۔

ذیل کی سطور میں اکابر کے چند واقعات بہ طور نمونہ پیش ہیں۔

(۱)

دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی دور کے صدر المدرسین میں ایک نام حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ آپ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذِ ارشد، دارالعلوم دیوبند کے اپنے وقت میں شیخ الحدیث، معقولات ومنقولات کے امام، نامور علماء و مشاہیر زمانہ کے مربی واستاذ اور ہندوستان کی جنگِ آزادی کے سرخیل ورہنما! ذرا ان کی للّٰہیت کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں اور حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے۔

ارشاد فرماتے ہیں: "ایک بار احقر کی درخواست پر مدرسہ جامع العلوم کے جلسہ دستار بندی میں رونق افروز ہوئے اور احقر کے بے حد اصرار پر وعظ فرمانے کا ارادہ فرمایا۔ جامع مسجد میں وعظ شروع ہوا، جناب مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ بھی کان پور تشریف لائے ہوئے تھے۔ میرے عرض کرنے پر جلسہ میں تشریف لائے اور عین اثنائے وعظ میں تشریف لائے، اس وقت

ایک بڑا عالی مضمون بیان ہو رہا تھا، جس میں معقول کا ایک خاص رنگ تھا۔ ہم لوگ خوش ہوئے کہ ہمارے اکابر کی نسبت معقولات میں مہارت کم ہونے کا شبہ آج جاتا رہے گا اور سب دیکھ لیں گے کہ معقول کس کو کہتے ہیں؟ مولانا (حضرت شیخ الہندؒ) کی جوں ہی مولانا علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ پر نظر پڑی۔ فوراً وعظ بیچ ہی میں سے قطع کر کے بیٹھ گئے۔ مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بوجہ (مولانا کے) ہم درس ہونے کے بے تکلف تھے، انہوں نے دوسرے وقت عرض کیا کہ یہ کیا کیا؟ یہی تو وقت تھا بیان کا۔ فرمایا ہاں! یہی خیال مجھ کو آیا تھا، اس لیے قطع کر دیا کہ یہ تو اظہارِ علم کے لیے بیان ہوا نہ کہ اللہ کے واسطے۔" (ذکر محمود، ص: ۱۳۴)

ان کی رضا کے سامنے اپنی خوشی نہ دیکھ
رضائے دائمی تو دیکھ؛ لذتِ عارضی نہ دیکھ

مالک تیری رضا رہے اور تو ہی تو رہے
باقی نہ میں رہوں نہ میری آرزو رہے

واقعی جن لوگوں کا نفس مزکّٰی اور قلب مصفّٰی ہو جاتا ہے اور جنہیں معیتِ الٰہی کی دولت نصیب ہو جاتی ہے، ان کی تقریر و تحریر تو کجا؛ ان کے ہر ہر فعل اور دیگر حرکات و سکنات تک میں للّٰہیت آ جاتی ہے۔ یہیں سے تصوف کی وہ تعریف بھی سمجھ میں آ جاتی ہے جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے کہ "تصوف نام ہے تصحیحِ نیت کا۔" (تزکیہ و احسان، ص: ۲۸)

(۲)

راہِ طریقت کے سالک کو جب صحیح معنوں میں اپنی اصلاح کی فکر دامن گیر ہو جاتی ہے اور آخرت میں جواب دہی کا احساس جب اس کے دل میں تازہ ہو جاتا ہے تو پھر وہ "حال کی درستی کی فکر کے ساتھ ساتھ اپنے ماضی (گذرے ہوئے ایام) پر بھی ہر ہر اعتبار سے نظر ثانی کرنے لگتا ہے"۔ اور پھر سالک کا یہ احتسابی جائزہ اس کے اعمال و افعال سے بڑھ کر اپنے اقوال اور اپنی نگارشات کے حوالہ سے بھی ہونے لگتا ہے۔ ذیل میں ایک ایسا ہی نمونہ پیش ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے مشہور فاضل ہیں، درجنوں

نامور اور تحقیقی کتابوں کے مصنف۔ تفسیر، حدیث، تاریخ، کلام، شعر و ادب، سیرت نگاری اور انشاء پردازی سب ہی فنون و علوم کے ماہر۔ زمانہ جن کی عبقریت کا قائل ہے اور دنیا جن کی عظمت پر نثار! اس علمی رتبہ اور مقام کے باوجود خود حضرت علامہؒ کے بقول: ”دس سال تک اپنے قلب کی روحانی تسکین کے لیے تلاش شیخ میں عرب سے عجم تک نگاہیں دوڑائیں۔ بالآخر سلطنتِ علم کے اس سلیمان کو فقیر تھانہ بھون کے دربارِ عشق و معرفت سے جام پی کر ہی سکوں ملا۔“

علامہؒ کی زندگی کا یہ باب بڑا پُرلطف ہے اور قدرے طویل بھی، جس کو سلیمانی تحریروں کے آئینہ میں ہی دیکھنا چاہیے۔ یہاں مقصود محض یہ بتانا ہے کہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب دامنِ تھانویؒ سے اپنے کو وابستہ کرلیا تو واضح طور پر ان کی زندگی میں انقلاب برپا ہوگیا۔

سید صاحب اپنے ایک عزیز حضرت مولانا عبدالباری ندوی کو لکھتے ہیں: ”دس بارہ برس سے جو چیز نظری طور پر سمجھ میں نہ آتی تھی وہ اب عملاً سمجھ میں آگئی اور اب تلافیٔ مافات میں مصروف ہوں۔ لَعَلَّ اللّٰهَ یَرْزُقُنِی صَلَاحًا“۔

ایک اور مکتوب میں حضرت مولانا مسعود عالم ندوی کو لکھتے ہیں: ”واہ واہ کا مزہ بہت اٹھا چکا اور اب یہ رنگ دل سے اتر چکا۔ اب تو آہ آہ کا دور ہے۔ اور اپنی پچھلی تباہی کا ماتم اور آئندہ کی فکر درپیش ہے۔“

چناں چہ اسی تلافیٔ مَافَات اور فکرِ آئندہ (آخرت) کے تحت بقول مفتی اعظم حضرت مفتی شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، علامہؒ کی زندگی میں وہ وقت بھی آیا کہ انہوں نے اپنی چالیس سالہ علمی تحقیقات و تصنیفات اور مضامین و مقالات پر نظر ثانی شروع کی۔ اس کی تفصیل خود حضرت علامہ ندویؒ کے الفاظ میں پڑھیں۔ فرماتے ہیں کہ ”میری پیدائش صفر ۱۳۰۲ھ میں ہوئی۔ اور اب یہ محرم ۱۳۶۲ھ شروع ہوگیا۔ یعنی میری عمر نے زندگی کے ساٹھ مرحلے طئے کرلیے۔ میری تحریر کا آغاز ۱۹۰۲ء سے ہوا ہے اور اب ۱۹۴۲ء ہے جس کے معنیٰ یہ ہے کہ میری تحریری عمر نے چالیس سال پورے کرلیے۔ جب اس پر نظر جاتی ہے کہ اس ساٹھ سال کی زندگی میں کیا کیا کوتاہیاں ہوئیں اور کیسی کیسی لغزشیں پیش آئی ہوں گی تو دل بے اختیار پکار اٹھتا ہے:

از کردۂ ناصواب یارب توبہ

تحریری زندگی کے چالیس سال پورے ہو گئے۔ یاد نہیں کہ ان چالیس برسوں میں قلم نے کیا کیا لکھا اور کہاں کہاں غلطی کی، اتباعِ حق کے بجائے اتباعِ ہوٰی کے موقعے کہاں کہاں پیش آئے اور اب بھی اپنی موجودہ حالت پر بزبانِ حال یہ صدائے غیب آتی ہے

چہل سال عمر عزیزت گذشت
مزاجِ تو از حال طفلی نہ گشت

کتابوں اور مضمونوں کے ہزار ہا صفحات اتنے دنوں میں سیاہ کیے گئے، کہا نہیں جا سکتا کہ کہاں کہاں حق کا ساتھ چھوٹا ہے اور کس باطل کی تائید میں قلم نے لغزش کی ہے۔ جس سے اتباعِ حق کے بجائے اتباعِ ہوٰی کا ارتکاب ہوا ہو۔ بندہ ہر حالت میں قصور وار ہے، خطا و نسیان اس کا خمیر ہے اور اس کا علم و عمل کی لغزش گاہوں سے ٹھیک ٹھیک بچ نکلنا بہت مشکل ہے۔ اس لیے یہ خاکسار ہیچمد ان علی الاعلان اپنی ان تمام غلطیوں سے جو دانستہ یا نادانستہ حق کے خلاف ہوئی ہوں، صدقِ دل سے توبہ کرتا ہے اور اپنے قصور کا اعتراف۔ اور اپنی ہر اس رائے سے جس کی سند کتاب و سنت میں نہ ہو، اعلانِ برأت کرتا ہے: وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ"

چنانچہ دارالمصنفین اعظم گڑھ سے نکلنے والے ماہنامہ ''معارف'' میں آپ نے "رجوع و اعتراف" کے عنوان سے مستقل کالم لکھا اور اپنی تصنیفات پر باضابطہ نظر ثانی کی۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ علمی دیانت داری، عدمِ نفسانیت و خدا ترسی اور فکرِ آخرت میں بھی دراصل ان کے شیخ و مرشد صاحبِ تفسیر بیان القرآن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے عملی اسوہ کا ہی عکس نظر آتا ہے۔ چناں چہ حضرت تھانویؒ کی تصانیف کا تعارف کرواتے ہوئے "ترجیح الراجح" کے ضمن میں لکھتے ہیں: "ترجیح الراجح"، یہ وہ مجموعہ ہے جس کی نظیر سلفِ صالحین میں تو ملے گی ؛ مگر متاخرین کے یہاں بالکل مسدود ہے۔ اس مجموعے میں حکیم الامت نے اپنے اُن مسائل کو جمع فرما دیا ہے، جن میں از خود یا پھر کسی دوسرے کے توجہ دلانے سے کوئی تسامح نظر آیا، تو اس سے رجوع فرما کر مسئلہ کی مزید تحقیق فرما کر تصحیح کر دی۔ یہ سلسلہ حضرتؒ کی انصاف پسندی، تواضع اور عدمِ نفسانیت کا بین ثبوت ہے۔ یہی حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ

عنہم، حضراتِ تابعین وتبعِ تابعین عِظام کا طریق تھا، جس کو اِس زمانہ میں حکیم الامت نے زندہ کیا اور اپنے کو بارِ آخرت سے بچایا۔(مکاتبت سلیمان)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلیفہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا بے مثال طرزِ عمل اور عملی اُسوہ کے تناظر میں ہمارے لیے "احتسابی جائزے" کا کیسا بہترین پیغام پوشیدہ ہے۔!

آج کی دنیا میں بہت سی دفعہ دیکھا جاتا ہے کہ حق بات دلائل کی روشنی میں واضح ہوجاتی ہے اور معقول بنیادوں پر ثابت ہوجاتی ہے لیکن اس کے باوجود محض اپنی بات کو منوانے کے لیے کیا کچھ نہیں ہوتا؟ کئی دفعہ "جواب" پھر "جوابُ الجواب" پھر "جوابُ جوابِ الجواب" کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ درحقیقت ان سب کے پیچھے انانیت اور خود پسندی کے بیمار قلب کی کارفرمائی ہوتی ہے یا پھر لوگوں میں اپنی جاہ کے متأثر ہونے کا موہوم اندیشہ۔

ایسے میں ہمارے اکابرؒ کی تعلیمات اور ان کے لائقِ تقلید ومثالی طرزِ عمل کے پیش نظر یہ بات پورے وُثوق اور جزم کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ نفسانیت کے خول سے آزاد، ربانی زندگی صرف اور صرف مشائخِ کاملین کی بابرکت صحبتوں میں وقت بتانے، ان کے زیرِ سایہ اپنے آپ کو تربیتی مراحل سے گذارنے اور ان کی جوتیاں سیدھے کرنے کی برکت سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہوتو دیکھ ان کو
یدِ بیضاء لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
جلاسکتی ہے شمعِ کُشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی! کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں؟

اور

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
(اقبال)

تعارفِ کتبِ تصوف

سلسلہ نمبر (۲)

تا بہ منزل صرف دیوانے گئے

(راہِ ولایت قدم بہ قدم)

مصنف : محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی قدس سرہ

کل صفحات : ۲۹۸

تعارف نگار : مفتی محمد عمران قاسمی

تصوف وسلوک یا راہِ طریقت کے بارے میں دینِ اسلام کی حقیقی تعلیمات سے ناواقف لوگ اور نفس پرست افراد نے مختلف انداز کے جھوٹ پر مبنی، بہت سے غلط پروپیگنڈے کیے، طرح طرح کے غیر معقول، خلافِ واقعہ وگمراہ کُن نظریات پھیلائے اور آج بھی یہ سلسلہ مختلف طریقوں سے (الگ الگ شکلوں میں) برقرار ہے۔ کسی کا دعویٰ ہے کہ شریعت الگ ہے اور طریقت الگ، تو کسی کا خیال ہے کہ تعلیماتِ طریقت احکامِ شریعت سے بھی بڑھ کر ہیں، گویا طریقت کی باتوں کے سامنے شریعت کی تعلیمات بے حیثیت ہیں۔ ایک طبقہ کہتا ہے کہ منازلِ طریقت (جو ان کی اپنی اختراعات ہوتی ہیں اور جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا) طے کرنے سے نماز وروزہ بھی معاف ہوجاتے ہیں تو کوئی مریدین کے درمیان عذابِ قبر سے حفاظت اور روزِ جزا میں مغفرت کے نامے تقسیم کرتے ہیں۔ ایک طرف ایسے گمراہ کُن اور خلافِ حقیقت باتوں کے پھیلانے والے لوگ ہیں تو دوسری جانب تصوف وسلوک کی صحیح، مستند اور معتبر تعلیمات کو عجمی ممالک کا رجحان قرار دینے والے بلکہ اور آگے بڑھ کر غیر اسلامی کہنے والے لوگ بھی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ طریقت کو شریعت پر فوقیت دینا اور اس سلسلے

استاذ ابو ہریرہ اکیڈمی، اورنگ آباد

میں غیر معتبر تعلیمات کو رواج دینا جس طرح ایک نامعقول رجحان ہے، وہیں تصوف وطریقت کا مطلقاً انکار کردینا بھی سراسر غلط اور خلافِ شریعت ہے۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ طریقت، شریعت سے جدا کوئی چیز ہی نہیں ہے۔شریعت مخدومہ ہے تو طریقت اس کی خادمہ۔تزکیہ وتقویٰ اور خشوع واخلاص کی پاکیزہ تعلیمات پر مشتمل متعدد آیاتِ قرآنیہ، صحاح ستہ کی سینکڑوں احادیث اور اکابر صوفیاء و محققینِ طریقت کی کتابیں، ان کے مکتوبات و ملفوظات اور ارشادات وتعلیمات اس پر براہِ راست شاہدِ عدل ہیں۔

ہمارے حضرت جی محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی قدس اللہ سرہ کی تصوف وسلوک کی معتبر ومستند تعلیمات کے سلسلے میں متعدد علمی، تحقیقی، اصلاحی اور تربیتی کتابیں ہیں، ان ہی اہم کتابوں میں سے ایک کتاب بنام "تابہ منزل صرف دیوانے گئے (راہِ ولایت قدم بہ قدم)" بھی ہے۔

اس کتاب میں "پیش لفظ" کے زیرِ عنوان حضرت جی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں: "ہر ایمان والے مرد وعورت کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اس کا تعلق مضبوط ہوجائے اور اسے رُجوع الی اللہ کی دولت میسر ہوجائے۔ یہ دین کا بنیادی پتھر ہے، جس کے بعد دین کے سارے کام آسان ہوجاتے ہیں، گویا کہ تعلق مع اللہ اور رجوع الی اللہ ہر عمل کی جان ہے۔سلوک کی محنت اِسی عظیم دولت کے حصول کا آزمودہ اور کامیاب طریقہ ہے اور یہ بات سو فیصد سچی ہے کہ وہی طریقہ زیادہ کامیاب اور قابلِ عمل ہوتا ہے جس میں سلیقہ وسہولت کو مدنظر رکھا گیا ہو، تاکہ ہر سطح کی صلاحیت رکھنے والا انسان اس سے خاطر خواہ نفع حاصل کرسکے۔

ہمارے مشائخ کرام کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے سالکینِ طریقت کے لیے اس نعمت کو پانے کی ایسی راہِ عمل بتائی ہے کہ جس میں ساری خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہیں، جس پر چلنے کے بعد محرومی نہیں۔ جو نعمتِ عظمیٰ انہیں حق سبحانہ وتعالیٰ کی دی ہوئی خصوصی توفیق ونصرت سے طویل مجاہدات اور مشقتیں جھیلنے کے بعد ملی اسے انہوں نے سالکین کے لیے انتہائی واضح اور آسان انداز میں پیش کردیا۔

زیر نظر اوراق (تا بہ منزل صرف دیوانے گئے) کا مجموعہ بھی اسی امانت کی ادائیگی کی کوشش ہے، عاجز نے ان سے خود بھی خوب فائدہ اُٹھایا اور جب ہزاروں لوگوں کو بتایا تو ان کی زندگیوں میں روحانی تبدیلی و ترقی خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لی، لہذا اس کے فائدے کو عام کرنے کی غرض سے احاطۂ تحریر میں لایا گیا، تا کہ سالکینِ طریقت ان تعلیمات پر عمل کر کے اپنی مراد کو پاسکیں۔

درحقیقت اِس سعادت کا حصول اتباعِ سنت یعنی نبی علیہ السلام کی پیروی میں پوشیدہ ہے۔ چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں خواجہ محمد اشرف کابلی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ آپ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل متابعت سے مشرف فرمائے، کیوں کہ اس کی درستگی پر دین کے کاموں کا مدار ہے، جو صدیقین کی آرزو ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے سب باطل اوہام اور فاسد خیالات ہیں"۔

چناں چہ اِس کتاب میں اکابر طریقت کے طرز پر اتباعِ سنت کے ذریعے سلوک کی تعلیم کا طریقہ قدم بہ قدم درج کیا گیا ہے اور بڑے ہی آسان، خوب صورت اور دلکش اسلوب میں راہِ ولایت کی ایسی اہم اور بنیادی عملی باتوں کو پیش کیا گیا ہے کہ ایک طرف اگر ان کے بغیر راہِ سلوک کا کوئی تصور نہیں تو دوسری طرف راہِ سلوک میں ترقی بھی ان کے اہتمام پر ہی موقوف ہے۔ مثلاً: نیت کی درستی، باوضو رہنے کا اہتمام، مسنون دعاؤں کا التزام، صبح و شام کے مسنون اذکار و وظائف، کاموں کی انجام دہی میں اتباعِ سنت کی پابندی، ۲۴ گھنٹے کے مسنون اعمال اور ان کی تفصیل، پنج وقتہ فرض نمازوں اور نوافل (تہجد، اشراق، چاشت، اوّابین، صلوۃ الشکر، صلوۃ التوبہ، صلوۃ التسبیح، صلوۃ الاستخارہ، صلوۃ الحاجہ، تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد) کی پابندی، تلاوتِ قرآن کریم، مناجات و دعا، نفل روزوں کا اہتمام، شکر کے مواقع اور اس کے تقاضے، صبر کے مراحل اور اس کے مقتضیات، دل آزاری سے بچنا، نرم مزاجی اور عفو و درگذر کرنا، غلطی ہوجانے پر معافی چاہ لینا، اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنا، نگاہ کی حفاظت کرنا، رشتہ داریاں نبھانا، دعائیں لینا، لایعنی سے بچنا، گناہ چھوڑنا، معمولات کی پابندی کرنا، کثرت سے ذکر کرنا، علمِ دین حاصل کرنا، گناہوں سے بچنا وغیرہ۔

پھر اس کتاب کی ایک بنیادی خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں زیرِ بحث عنوان کے ضمن میں موقع بہ

موقع بڑے اہم علمی نکات اور مؤثر اصلاحی وتربیتی واقعات پیش کئے گئے ہیں، جس کی وجہ سے موضوع کی لطافت بھی دوبالا ہوجاتی ہے۔ کتاب کی زبان انتہائی سادہ ودلکش ہے اور اسلوبِ بیان بہت مؤثر!

چند اقتباسات بطورِ نمونہ ملاحظہ ہوں؛

نیت کی درستی کے زیرِ عنوان رقم طراز ہیں: جیسی نیت ہوتی ہے، ویسی ہی مراد ملتی ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوٰى

"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور بیشک ہر انسان کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔"

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ روحانیت کی ابتداء تصحیحِ نیت سے ہوتی ہے۔ سالکین کو چاہیے کہ وہ گناہوں سے مکمل بچنے کی نیت کریں، بعض لوگ اِس وجہ سے گناہ نہیں کررہے ہوتے کہ انہیں گناہ کا موقع نہیں ملتا۔ اگر انہیں یہ موقع کبھی ملے تو پھر وہ گناہ میں پڑجاتے ہیں۔ اگر کبھی بدنظری کا موقع ہی نہ ملے تو پھر تو سب ہی بدنظری سے بچے رہتے ہیں، لیکن اگر کسی کی گناہ سے بچنے کی نیت نہ ہو تو وہ موقع ملنے پر گناہ کر بیٹھے گا۔ جو انسان یہ نیت کرلے اور دل میں پکا ارادہ کرلے کہ جو مرضی ہوجائے میں نے گناہ نہیں کرنا تو اس کے لیے بدنظری سے بچنا آسان ہوجائے گا۔

یہ نیت کرلینے سے انسان بے طمع ہوجاتا ہے، بدنظری سے بچنا آسان ہوجاتا ہے، غیبت، جھوٹ سے بچنا آسان ہوجاتا ہے۔

آگے سالکین طریقت کی ایک عمومی غلطی کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

کئی لوگ اس راہِ سلوک میں فقط کیفیات کے متلاشی ہوتے ہیں۔ ان کا اصل مقصد کیفیات، کرامات اور رنگ وغیرہ دیکھنا ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اپنی نیت کی خرابی کی وجہ سے اس راستے میں اٹک جاتے ہیں اور آگے نہیں بڑھ پاتے۔ اس لیے سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ نیت کو درست کیا جائے۔ ہماری نیت ہو کہ ہم ہر حال میں گناہ سے بچیں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ (ص: ۲۴، ۲۵)

"مسنون دعاؤں کے فوائد" کے زیرعنوان فوائد کے ذکر کے بعد علمی نکات بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد فرماتے ہیں: "نبی علیہ السلام نے دنیا کے ہر مقصد کے لیے خود ہی ہمیں دعائیں سکھا

دیں، تاکہ انسان ان کو موقع بہ موقع مانگ کر اپنی فلاح کا سامان کر سکے، جو باتیں ان مسنون دعاؤں میں مانگی گئی ہیں وہ تو عظیم ہیں ہی؛ لیکن جن الفاظ میں وہ مانگی گئی ہیں، ان میں بذاتِ خود بڑی تاثیر اور بڑا نور ہے۔ انسان اگر خود مانگتا تو اس کی سوچ کبھی اتنی گہرائی کو نہ پہنچ سکتی اور نہ ہی ان الفاظ میں اتنی معرفت ہوتی۔

غور کریں کہ ایک آدمی بیت الخلاء میں جانے لگتا ہے تو وہ دعا پڑھتا ہے: **اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ** "اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں گندگی سے اور جنوں سے، نر ہوں یا مادہ۔"

یہ بات سمجھ آتی ہے کہ ہم نے گندگی سے پناہ مانگی؛ لیکن نبی ﷺ نے ہمیں سکھایا کہ جنوں سے بھی پناہ مانگو، اگر اللہ کے محبوب ﷺ ہمیں نہ سکھاتے تو انسان کی پرواز اتنی نہ تھی کہ وہ جنوں سے بھی پناہ مانگتا۔ نبی علیہ السلام نے بتلادیا کہ جو پیٹ میں تکلیف دینے والی چیز ہے تم اس سے بھی پناہ مانگو اور جو وہاں پر موجود جنات ہیں ان سے بھی پناہ مانگو۔ نبی ﷺ نے تو ہمیں قدم قدم پر رہنمائی فرمائی، ہم ہی اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ چناں چہ یہ مسنون دعائیں انسان کو برکتیں عطا کرتی ہیں، غفلت سے بچالیتی ہیں اور شیطان سے پناہ میں رکھتی ہیں۔ اِن دعاؤں کو پڑھنے سے انسان اللہ کا شکر گذار بندہ بن جاتا ہے۔ (ص: ۸۵،۵۷)

اسی طرح مسنون دعاؤں پر عمل کی اہمیت، راہِ سلوک میں اس کی پابندی اور اہتمام سے ہونی والی ترقی اور مسنون دعاؤں کے مقابلے میں وظائف کی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

"ہمارے بعض بزرگوں نے مسنون دعاؤں کی پابندی سے نسبت کا نور حاصل کیا ہے۔ یہ اتنی اہم ہیں، اس لیے ان کو یاد کرنا ضروری ہے۔ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ ان دعاؤں کا بکثرت وردرکھنے سے انسان روحانی ترقی کی منزلیں اتنی جلدی طے کرتا ہے کہ بڑے بڑے مجاہدوں اور ریاضتوں سے اس کو وہ فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

بہت سارے لوگ وظائف پوچھتے ہیں کہ "حضرت! پڑھنے کے لیے کوئی لفظ بتادیں،

حضرت! کوئی آیت بتادیں، کچھ اور بتادیں پڑھنے کے لیے، یقین جانیں! جس بندے کو مسنون دعائیں پڑھنے کی توفیق مل گئی اُس کو پھر مزید کچھ پڑھنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ کیا ضرورت ہے کوئی اور عمل کرنے کی یا کسی عامل سے پوچھنے کی۔ جب مُرشدِ اعظم، معلّمِ اعظم، حضرت محمد مصطفی، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ اس موقع پر یہ پڑھو تو اس کی اہمیت دل میں کیوں نہیں ہے؟ ہمیں چاہیے کہ ہم مسنون دعائیں پڑھیں اور اُس کا فائدہ اُٹھائیں۔ پھر ہمیں اور کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔ پھر عاملوں کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ (ص:۶۰)

بندگانِ الٰہی کے لیے احکاماتِ خداوندی میں سے ایک اہم حکم "شکر" کا ہے۔ قرآن کریم میں اس کی خصوصی تاکید آئی ہے۔ پھر یہ حقیقت بھی قرآن عظیم الشان میں مذکور ہے کہ "اللہ کے بہت کم بندے شکر گذاری کی صفت سے متصف ہوتے ہیں۔" چناں چہ شکر کی یہ صفت اعلیٰ اخلاق کی علامت ہے اور اس پر نعمتوں میں اضافہ کا وعدۂ ربانی بھی ہے۔ پھر سالکینِ طریقت کے لیے شکر کی صفت روحانی ترقیات کا وسیلہ و زینہ ہے۔ چناں چہ اس کی تعلیم و تلقین کے لیے اولاً ارشاد فرماتے ہیں کہ "شکر کے مواقع پر شکر کرنا چاہیے" پھر اس کے بعد بہت خوب صورت انداز میں شکر کے مواقع کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خوشی کے لمحات کون سے ہوتے ہیں؟ عام لوگ دھوکہ کھاتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ جب کوئی انوکھی چیز ملے، کوئی عادت سے ہٹ کر چیز ملے تب انسان کا دل خوش ہوتا ہے۔ نہیں! جب بھی دنیا کے سارے کام ہماری مرضی کے مطابق چل رہے ہوں وہ خوشی کے لمحات ہیں، ہماری صبح کے وقت میں آنکھ وقت پہ کھل گئی، ہم نے تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ فجر پڑھ لی، تو یہ خوشی کی بات۔ پھر بچے وقت پر مسجد یا مدرسے چلے گئے، سکول بھی چلے گئے، انہوں نے تنگ نہیں کیا، یہ خوشی کی بات۔ پھر بیوی نے وقت پر ناشتہ تیار کر دیا، یہ خوشی کی بات۔ ہم لوگ بھی اپنے وقت پر دفتر میں پہنچ گئے، یہ خوشی کی بات۔ دفتر میں کوئی بری خبر نہیں سنی، یہ خوشی کی بات۔ تو اس کا مطلب یہ کہ جو جو کام ہماری مرضی کے مطابق ہو رہے ہوتے ہیں وہ خوشی کے لمحات ہوتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ بیوی کے سر میں درد کر دیتے تو وہ تو ناشتہ نہ بنا سکتی، اگر بچے ضد کر لیتے تو ہم ان کو سکول نہ پہنچا سکتے، جب یہ سب کام مرضی کے مطابق ہو رہے ہوں تو وہ

خوشی کے لمحات ہوتے ہیں، اس وقت ہمارے لیے اللہ کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔(ص:۱۹۲)

غرض پوری کتاب میں سالکینِ طریقت کے لیے معرفتِ الٰہی کی قیمتی نعمت پانے کے مجرب نسخے، قرآن وحدیث کی مستند ومعتبر تعلیمات کی روشنی میں پیش کیے گئے ہیں اور بڑے دلکش اسلوب اور دلچسپ انداز میں! اگر سالکین کرام ان پر عمل کرنے کا اہتمام کریں تو خود صاحبِ کتاب کے بقول ان شاء اللہ وہ بہت جلد قربِ الٰہی کی دولت پاسکتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی، وَاجْعَلْ آخِرَتَنَا خَيْرًا مِنَ الْأُولٰی۔

ترجمہ: اے اللہ! ہمیں اپنی پسندیدہ چیزوں اور مرضیات کی توفیق عطا فرمائیے اور ہماری اگلی زندگی کو پہلے سے بہتر بنادیجیے۔(آمین)

☆☆☆

خطوط ہائے راہِ معرفت

درسِ قصدُ السبیل

(قسط دوم)

دوسری ہدایت: سلوک کے اعلیٰ مرتبے تک پہونچنے کی ترتیب

(۱) سب سے پہلے اپنے تمام گناہوں سے سچی پکی توبہ کرے، توبہ کے ساتھ اس بات کا پختہ عزم بھی رکھے کہ خواہ کتنی ہی مشکلات پیش آئیں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت میں اب کوئی کوتاہی نہ کروں گا، اور ہر حال کا مقابلہ کرتے ہوئے شریعت وسنت پر جموں گا، اس کے لئے نہ کسی دنیوی نقصان کی پرواکروں گا، نہ نفس کی ناراضگی کی پرواکروں گا، نہ مخلوق کی ملامت کا لحاظ کروں گا، ہر قربانی دے کر اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوشنودی حاصل کر کے رہوں گا۔

(۲) اگر عباداتِ واجبہ نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ اپنے ذمے باقی ہوں تو اُن کو ادا کرنا شروع کردے، مثلاً اب تک جتنی نمازیں فوت ہوئی ہیں اُن کا حساب کر کے ہر ادا نماز کے ساتھ ایک قضا بھی پڑھ لے، اسی طرح رمضان کے روزے جتنے ترک ہوئے ہیں حساب کر کے ہر مہینہ جس قدر ہو سکے قضا کرنا شروع کردے۔ اسی طرح اگر کچھ حقوق العباد اپنے ذمے ہیں تو اُن کی ادائیگی یا معافی کی فکر میں لگ جائے، کیوں کہ حقوق العباد سے سبک دوش ہوئے بغیر اگر عمر بھر بھی عبادت وریاضت کرتا رہے گا تب بھی سلوک کے مقصود کو حاصل نہ کر سکے گا۔

(۳) جب ماضی کے گناہوں سے سچی توبہ، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا سلسلہ اور آئندہ شریعت وسنت پر مضبوطی کے ساتھ جمنے کا ارادہ مکمل ہو جائے تو اب مُرشدِ کامل کی تلاش شروع کردے اور ساتھ ہی ساتھ اوپر بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق علمِ دین کے حصول میں بھی لگ جائے۔

تشریح وتوضیح

سلوک کا اعلیٰ مرتبہ:

راہِ سلوک میں چلتے ہوئے جب طالبِ صادق سلوک کی منازل طے کرتا ہوا اسباق میں آگے بڑھتا ہے تو ترقی ہوتی رہتی ہے۔ پھر سلوک کے اعلیٰ درجہ تک پہنچ جاتا ہے اور سلوک کے اعلیٰ درجہ کے بارے میں یہی سمجھنا کافی ہے کہ سالک ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں غرق اور مست رہے اور أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ کی کیفیت حاصل ہوجائے۔ گویا بہ زبانِ حال یہ کہے ؎

من تو شُدم تو من شُدی

من تن شُدم تو جاں شُدی

تا کس نہ گوید بعد ازیں

من دیگرم تو دیگری

پس بندہ کو اپنے مولیٰ سے ایسا خاص تعلق محسوس ہو۔ البتہ یہ سلوک کا اعلیٰ درجہ ہے اور یہاں تک پہنچنے کے لیے تین باتوں کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

راہِ سلوک کا پہلا قدم: ”توبہ“

(۱) سالک کو چاہیے کہ سب سے پہلے تمام گناہوں سے سچی پکی توبہ کرے۔ چناں چہ مشائخ فرماتے ہیں کہ راہِ سلوک طے کرنے کے لیے دس مقامات ہیں، جن کے ذریعے اللہ پاک تک پہنچنا آسان ہوتا ہے اور ان مقاماتِ سلوک میں سب سے پہلا مقام اور سب سے پہلا قدم ”توبہ“ ہے۔

توبہ کا مطلب عام فہم زبان میں U-turn سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اور شریعت میں توبہ کہتے ہیں نفس وشیطان کی غلامی سے اللہ پاک کی غلامی کی طرف لوٹنے کو۔

اللہ رب العزت نے قرآن عظیم الشان میں فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا (سورۃ التحریم، آیت: ۸)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! تم اللہ کی جناب میں سچی پکی توبہ کرو“ گناہوں سے رجوع کرنا اور

اللہ کے سامنے یہ عہد کرنا کہ اے اللہ! میں گناہ چھوڑتا ہوں یہ "توبہ" کہلاتا ہے، گناہ کی تعریف یہ ہے کہ ہر ایسا عمل جو بندے کو خدا سے دور کر دے، اللہ پاک نے جن کاموں سے بچنے کا حکم دیا ان سے نہ بچنا نافرمانی اور بغاوت ہے، اور بندہ جب گناہ کرتا ہے تو گناہ کی سزا مل کر رہتی ہے؛ چناں چہ پہلی سزا یہ ہے کہ اللہ پاک مناجات (دل دل میں اللہ سے باتیں کرنے) کی لذت سے محروم کر دیتے ہیں، پھر بندہ کہتا ہے کہ میرا دعا میں جی نہیں لگتا، میری مانگنے کو طبیعت نہیں کرتی۔

دوسری سزا: اللہ پاک اعمال کی توفیق چھن لیتے ہیں، پس ایک نماز پڑھ کر دوسری چھوڑ دینا گناہوں کے اثرات کی وجہ سے ہوتا ہے۔

تیسری سزا: روزی میں تنگی، اللہ پاک گناہ کی سزا کے طور پر بندہ کا رزق تنگ کر دیتے ہیں، پھر انسان معاشی تنگی (بے روزگاری اور بے برکتی) کا رونا روتا ہے۔

چوتھی سزا: مخلوق میں ذلت ہوتی ہے، لوگ تھوتھو کرتے ہیں، کوئی منہ نہیں لگاتا، آدمی کہتا ہے کہ جہاں بھی جاتا ہوں عزت نہیں ملتی، لوگ دھتکار دیتے ہیں، کام نہیں بنتا، آدمی سوچتا ہے کہ فلاں آدمی میرا دوست نکلے گا اور کام کر دے گا لیکن وہ دھوکہ دے جاتا ہے، یہ بھی ذلت ہی کی ایک شکل ہے۔

پانچویں سزا: ماتحتوں کی نافرمانی ہے، جو لوگ ہمارے under میں ہوتے ہیں چاہے گھر کا نوکر ہو یا ڈرائیور ہو وغیرہ سب نافرمان ہو جاتے ہیں۔

چھٹی سزا: اللہ پاک کی طرف سے بندہ پر لعنت برستی ہے؛ چناں چہ اللہ پاک نے فرمایا: فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (سورۃ آل عمران، آیت: ۶۱) "جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں" اور دوسری جگہ فرمایا: اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (سورہ ھود، آیت: ۱۸) "ظالموں پر اللہ کی لعنت!" الغرض گناہ کے نتیجہ میں بندہ کو ان سزاؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

توبہ کے دس مقامات

گناہوں کو چھوڑ دینے کا نام توبہ ہے، توبۃ النصوح کا مطلب ایسی توبہ کہ اس کے بعد انسان اپنے ارادے اور اختیار سے گناہ نہ کرے۔

توبہ کے دس مقامات ہیں: (۱) جہالت سے نکلنا یعنی پہلے لاعلمی کی وجہ سے جو گناہ ہو گیا تھا،

اب معلوم ہونے کے بعد اس سے بچنا۔(۲) اپنے کیے پر ندامت اور شرمندگی ہونا۔(۳) خواہشاتِ نفسانیہ سے الگ ہوجانا، ہر خواہش پوری نہیں کی جاسکتی، ناجائز خواہشات سے بچنا ضروری ہے۔ (۴) اپنے نفس سے بغض رکھنا کہ یہ مجھے برائی کی طرف ہی لے جائے گا، نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا اپنا نفس ہے، "أَعْدَىٰ عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ "(۵) گناہ کی وجہ سے دل پر چڑھنے والی ظلمت اور سیاہی کو ذکر کر کے دور کرنا۔(۶) بگڑی ہوئی عادتوں کو درست کرلینا۔(۷) جھوٹ کو ختم کردینا۔(۸) بُری صحبت کو چھوڑ دینا۔(۹) سارے گناہوں کو اپنے اندر سے نکال دینا۔(۱۰) غفلت والے راستہ سے دوری اختیار کرنا۔

قبولیتِ توبہ کی علامات

توبہ کی قبولیت کی علامتیں یہ ہیں کہ انسان آئندہ گناہوں سے محفوظ رہ جاتا ہے، نیک لوگوں سے قریب ہوجاتا ہے، برے لوگوں سے دور ہوجاتا ہے، تھوڑی دنیا سے راضی ہوجاتا ہے، آخرت کی تیاری میں لگ جاتا ہے، گناہوں پر دل میں غم کرتا ہے، اپنے رب سے اپنے دل میں راضی رہتا ہے۔ نیز یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ نیک لوگوں کی صحبت سے توبہ کی توفیق ملتی ہے۔

لہٰذا پہلا کام (سلوک کے اعلیٰ مرتبے تک پہونچنے کے لئے) جملہ گناہوں سے توبہ کرنا ہے اور توبہ کے ساتھ اس بات کا پکا ارادہ کرنا ہے کہ چاہے کتنی ہی مشکلات ہوں، پروا نہ چاہیے۔ سالک کو نفس وشیطاں پریشان کریں گے، مراقبہ میں بیٹھتے ہی وسوسے شروع ہوجائیں گے اور بسا اوقات اللہ کی ہستی کے تعلق سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس ذات کے حوالے سے اور قرآن و حدیث کے بارے میں بھی ایسے ایسے وسوسے دل میں آئیں گے کہ جن کو زبان پر لانے کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا اور جن کے تصور سے ہی بندہ پریشان ہوجاتا ہے کہ "اللہ کو یاد کرنے بیٹھا ہوں اور یہ کیا ہورہا ہے؟" اس طرح کی مشکلات آتی ہیں، ان سے گھبرانا نہیں ہے۔ چاہے جو ہوجائے، نفس و شیطان مجھے جتنا پریشان کرلیں؛ لیکن میں ہر حال میں اللہ اور رسول کی اطاعت کروں گا، اور شریعت وسنت پر جموں گا، چاہے میری دنیا کا جتنا بڑا نقصان ہوجائے۔

مثال کے طور پر جیسے حرام سے بچنا ہے تو اس کی وجہ سے فاقے بھی کرنے پڑیں، کوئی بات

نہیں۔ ایسے وقت میں سالک کو سوچنا چاہیے کہ میں شریعت وسنت پر جموں گا لیکن حرام نہیں کھاؤں گا۔ یعنی نہ تو دنیوی نقصان کی پروا کروں گا اور نہ ہی نفس کی ناراضی کی پروا کروں گا۔ اس لیے کہ ایسے موقعوں پر سالک کا نفس بہت پریشان ہوگا کہ یہ کیوں کر رہا ہے؟ اور ویسا کیوں نہیں کر رہا ہے؟ راہ سلوک میں تو نفس کی سننا ہی نہیں ہے بلکہ ہر موقعے پر نفس کی مخالفت ہی کرنا ہے۔ چناں چہ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (سورۃ النازعات، آیت: ۴۰) ”اور جو اپنے نفس کو خواہشاتِ نفسانیہ اور شہوانیہ سے روکے رکھا (جنت اس کا ٹھکانہ ہوگی)“

اسی طرح سالک کو پکا ارادہ کرنا ہے کہ میں مخلوق کی ملامت کی بھی پروا نہیں کروں گا۔ بعضے لوگ کہتے ہیں کہ اس عمر میں کس لیے شرعی پردہ کر رہے ہو؟ اس عمر میں کیا ڈاڑھی رکھ رہے ہو؟ اس عمر میں کیا نمازی بن رہے ہو؟ تو سالک کو سچا عزم کرنا چاہیے کہ میں ان سب باتوں اور اعتراضات کی پروا نہیں کروں گا۔ نیکی کی راہ پر چلنے سے اگر مخلوق ناراض ہوتی ہے تو ہونے دیں، کوئی بات نہیں۔ یہ دیکھنا چاہیے کہ اللہ راضی ہوتے ہیں تو ہمارے لئے بس یہی کافی ہے۔

بہرحال کوشش یہ ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی حاصل کروں گا۔ اگر سلوک کے اعلیٰ مرتبے تک پہنچنا ہے تو یہ عزم کرنا پڑے گا اور گناہوں سے سچی پکی توبہ کر کے اس توبہ پر جمنا ہوگا۔

حقوق اللہ کی ادائیگی کی ترتیب بنائیں

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ جتنی عبادات واجبہ (جیسے فرض نماز، روزہ، زکات، حج وغیرہ، جن کا ادا کرنا) ذمہ میں باقی ہیں تو ان کو ادا کرنا شروع کریں، مثلاً کئی نمازیں فوت ہوئی ہیں تو تمام نمازوں کا حساب کر کے ان کی قضا کرنا شروع کر دیں اور قضا کرنے میں اپنی سہولت سے ترتیب بنائیں؛ مثلاً روزآنہ (حسب سہولت) دس نمازوں کی قضا کرنا یا روزآنہ پانچ نمازوں کی قضا کرنا جیسا ممکن ہو پورا کریں، بس اتنا یاد رکھنا چاہیے کہ مکروہ اوقات کے علاوہ تمام وقتوں میں نمازیں قضا کی جاسکتی ہے؛ چاہے دن میں پڑھیں یا رات میں، مکمل اختیار ہے؛ لیکن اگر کوئی آدمی مشغولیت کی وجہ سے یا کسی اور عذر کی وجہ سے ہر ایک ادا نماز کے ساتھ ایک قضا نماز پڑھنے کا معمول بنالے تو بھی ٹھیک ہے: ان شاء اللہ اللہ پاک کی ذات سے امید ہے کہ اللہ پاک اسے نمازیں چھوڑنے والا شمار نہیں کریں گے،

(اوراس عذاب میں مبتلا نہیں فرمائیں گے جو احادیث میں نماز چھوڑنے پر آیا ہے) کہ اس نے نمازیں قضا کرنا تو شروع کر دیا تھا۔

البتہ اس سلسلہ میں ایک بات یہ ہے کہ ”جس کو اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے وہ ایک کام یہ بھی کرے کہ فدیہ بھی ادا کر دے، ایک ساتھ ادا کر سکتا ہو تو ایک ساتھ ادا کر دے، اور اگر الگ الگ ادا کر سکتا ہو تو الگ الگ ادا کرے؛ تا کہ اگر نمازیں پوری قضا کرنے کا موقع نہ ملے؛ اس سے پہلے ہی موت آجائے تو بھی کوئی پریشانی کی بات نہیں کہ فدیہ تو دے چکا ہوگا؛ لیکن فدیہ کے ساتھ نمازیں بھی قضا کرتا رہے، روزوں میں بھی ایسی ہی ترتیب بنائے، مثلاً اگر بیمار ہو گیا، اور نمازیں چھوٹ جائے اور صحت مند ہونے کی امید ہے تو اس کے بعد قضا رکھنی ہی ہے؛ لیکن فدیہ بھی دیدے، کیا پتہ کہ اگر انتقال ہو جائے تو فدیہ تو ادا کر چکا ہوگا، اس لیے فدیہ کے ساتھ قضا بھی کر لے تو حرج نہیں ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ قضا کر لے تو فدیہ نہ دے، فدیہ دے تو قضا نہ کرے، دونوں کر سکتا ہے، ایسے ہی اگر کوئی پورا فدیہ (مثلاً پچیس تیس سال کی نمازوں کا) نہیں دے سکتا ہے تو آدھا دے دے، اور اگر آدھا نہیں دے سکتا تو تہائی دے دے، پیسے خرچ کرنے میں نفس پر بار بھی ہوگا کہ دیکھو تم نے ایک نماز چھوڑی، تمہیں ایک نماز کے بدلہ میں مثلاً سو روپیے دینے پڑیں گے، تو نفس پر گراں گذرے گا اور نفس کو تکلیف ہوگی، یہ بھی سلوک کا حصہ ہے۔ تو اس طریقہ سے تمام عبادات (زکات اور حج باقی ہو تو وہ بھی) ادا کرے۔ یہ تو حقوق اللہ کا معاملہ ہے۔

حقوق العباد میں کوتاہی کے ساتھ راہِ سلوک میں ترقی ممکن نہیں

اگر حقوق العباد ذمے میں باقی ہیں؛ مثلاً کسی شخص نے بیوی کا مہر نہیں دیا اور شیخ کا خادمِ خاص بنا ہوا ہے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا کہ ایک طرف بیوی کے حقوق تلف کر رہا ہے اور دوسری طرف شیخ کی نظر میں بایزید بسطامی، جنید بغدادی، شبلی علیہم الرحمہ جیسا بن رہا ہے؛ حالاں کہ وہ حضرات ایسے نہیں تھے، وہ پہلے مہر دیے تھے پھر بعد میں شبلی بنے، اگر مہر نہیں دیتے تو بایزید بسطامی بنتے ہی نہیں، اور اگر یہ خیال ہے کہ وہ معاف ہو جائے گا تو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ مہر ہرگز ایسے معاف نہیں ہوگا، ادا کرنا ہی پڑے گا، بہت سارے علاقوں میں یہ رسم چل پڑی ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد بیوی کو اس کے

سامنے لاکر کھڑا کردیتے ہیں اور بیوی سے کہلواتے ہیں کہ بولو" مہر معاف کیا" ایسا تو ہرگز معاف نہیں ہوتا، عجیب بے تکی اور بے حیا رسم ہے، پورے نامحرموں کے سامنے بیوی کو لایا جارہا ہے اور کہنے کے لیے مجبور کیا جارہا ہے۔

ذرا خود سوچیں کہ مہر کس چیز کا بدل ہوتا ہے؟ پتہ ہے؟

الفاظ بدلو تو کچھ غیرت آئے گی، گویا بیوی یوں کہہ رہی ہے کہ شوہر صاحب میرے ساتھ جو رات میں سویا کرتے تھے میں نے اس کا حق معاف کیا، کوئی عورت نامحرم مردوں کے سامنے یہ بولے گی؟ وہ بیچاری مہر معاف کیا بولتے ہوئے بالفاظِ دیگر وہی تو کہہ رہی ہے، ہم نے الفاظ بدل دیے، افسوس کہ کیسی کیسی بیہودہ اور شرمناک رسمیں ہیں؟

اس طرح کرنے سے کوئی مہر معاف نہیں ہوتا، دینا پڑتا ہے؛ حتیٰ کہ اگر شوہر مر گیا تو اولاد کی ذمہ داری ہے کہ اس کے چھوڑے ہوئے تہائی مال میں سے ادا کریں، اور اگر اس کے پاس کچھ مال نہیں تھا تو عنداللہ اس سے پوچھ ہوگی، بیوی کے معاف کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

بعض لوگ بولتے بھی ہیں کہ" اب تو بوڑھے ہوگئے، جو ہوگیا سو ہوگیا، اب تو بیوی بھی بول دی کہ معاف ہے، ہم نے بھی معاف کروالیا" عجیب منطق ہے؛ حالاں کہ یہ تو ایسا حق ہے کہ مرنے کے بعد بھی معاف نہیں ہوتا، بوڑھے ہونے کے بعد کیا معاف ہوگا؟

بوڑھے ہونے کے بعد تو پنالٹی کے ساتھ دینا چاہیے مثلاً اگر اُس زمانے میں گیارہ سو مہر بن رہا تھا تو اِس زمانے میں گیارہ ہزار دیں۔

قابلِ توجہ امر

اور یہ بات بھی واضح رہے کہ مہر طاق عدد میں دینا کوئی سنت نہیں ہے کہ 1100 دو یا 2100 دو یا 501 دو، ایسا کچھ بھی ضروری نہیں ہے۔

ایک بات یاد رکھنا چاہیے کہ دینے کا جب موقع آئے تو جتنا حق بنتا ہے اس سے زیادہ دینا اور لینے کا جب موقع آئے تو جتنا حق بنتا ہے اس سے کم لینا یہ آپ کے شریف ہونے کی دلیل ہوگی۔ ایسے ہی جب دینے کا موقع آئے تو پہلے نمبر پر کھڑے رہیں، لینے کا جب موقع آئے تو لائن میں لاسٹ نمبر پر

کھڑے رہیں تو یہ انسان کے پڑھے لکھے ہونے کی دلیل ہے۔

لیکن صورت حال یہ ہے کہ لوگ لینے میں ایسے ٹوٹ پڑتے ہیں جیسے زندگی میں کبھی بریانی کھائی نہیں ہے، دعوتوں میں جا کر دیکھیں اچھے اچھے پڑھے لکھے، اچھے اچھے مہذب اور اچھے اچھے (ماشاءاللہ) کھاتے پیتے کھلاتے پلاتے لوگ بھی بریانی پر ایسے ٹوٹ پڑتے جیسے بریانی کبھی دیکھی ہی نہ ہو، ایسے نہیں ہونا چاہیے۔

لینے کا نمبر آئے تو پیچھے ہٹ جائیں، دینے کا نمبر آئے تو آگے آجائیں۔

حقوق کی اہمیت کو سمجھیں!

پس مہر ادا کرنے میں جلدی کرنا چاہیے؛ ورنہ اولاد پر ذمہ داری ہوجاتی ہے باپ کا مہر اپنی ماں کو دلانا، باپ کی وراثت میں سے دیں۔ ایسے ہی بہنوں کا حق بھی ادا کریں، اس زمانہ میں بیوی کا مہر اور بہنوں کا حق لوگوں کے نزدیک گویا ڈبوئے جانے والی چیز ہوگئی ہے کہ اس کو تو ہڑپ کر ایسے کھا جائیں، کہ ڈکار بھی نہ لیں، کہ پتہ بھی نہ چلے کہ کیا ہضم کیا ہے؟

تو جتنے حقوق العباد اپنے ذمے ہیں یا تو ادا کر دیں، ادا نہیں کر سکتے تو پیر پکڑ کر معافی مانگ کر معاف کروالیں، خود معافی مانگ کر معاف کروائے، پھر وہ آپسی سمجھوتے سے معاف ہو تو ایک الگ چیز ہے؛ لیکن میت کے سامنے جا کر بولنا کہ "میں نے معاف کیا" اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حقوق العباد ذمے میں رکھ کر اگر پوری زندگی بھی سجدے میں پڑے رہیں گے تو سلوک کا مقصود حاصل نہیں ہوگا، عام طور پر جو سالکین سلوک میں آگے نہیں بڑھ پاتے ہیں تو وہ ذرا خود سوچیں کہ کہیں گاڑی اٹکی ہوئی ہے، حقوق العباد کے معاملہ میں کہیں گڑبڑ ہے، ذمہ میں کوئی حق نہ رکھیں۔

تیسرا کام: شیخِ کامل کی تلاش

(۳) جب مذکورہ دونوں کام (سچی پکی توبہ، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی شروع کردی، مکمل کرنا ضروری نہیں ہے) تو اب تیسرا کام یہ ہے کہ شیخِ کامل کی تلاش شروع کردے؛ کیوں کہ کوئی سلوک کا اعلیٰ درجہ پانا چاہے تو اس کے لیے شیخ چاہیے، یہ نہیں کہ اب یہ کام ہوگیا تو جنت واجب ہوگئی، اتنا کرکے شیخ چاہیے؛ اس لیے اب شیخِ کامل کی تلاش شروع کریں، اور ساتھ ہی ساتھ علم حاصل کرنے کا

جو طریقہ بتایا گیا ہے وہ بھی شروع کریں یعنی علمِ دین بھی حاصل کرنا اور تصوف وسلوک بھی سیکھنا ضروری ہے؛ کیوں کہ ہمارے حضرت جی قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ " جو علم عشق تک نہ لے جائے وہ علم بھی گمراہی ہے اور جو عشق بغیر علم کے ہو وہ بھی گمراہی ہے، علم ہو عشق کے ساتھ، عشق آئے علم کے تابع ہو کر، سچا عالم سچا صوفی رہیں۔"

اور حضرتؒ کا ملفوظ شریف ہے کہ " سچے عالم کی شناخت اور پہچان یہ ہے کہ وہ صوفیا کا قدردان ہوگا اور سچے صوفی کی پہچان یہ ہے کہ وہ حضرات علماء کرام کا قدردان ہوگا۔"

پس سلوک کے اعلیٰ درجے تک پہنچنے کے لیے تین کام ہیں (۱) تمام گناہوں سے توبہ اور اس پر استقامت (۲) عبادات ِواجبہ اور حقوقِ لازمہ کی ادائیگی (۳) شیخِ کامل کی تلاش۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی معرفت نصیب فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

زبدۃُ الکتاب

مثالی ازدواجی زندگی کے سنہرے اصول (تلخیص)

"مثالی ازدواجی زندگی کے سنہرے اصول" ہمارے حضرت جی محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی قدّس سِرُّہٗ کی ایک معروف اور بہت زیادہ مقبول کتاب ہے۔اس اصلاحی وتربیتی کتاب کی برکت سے اللہ ہی جانتے ہیں کہ کتنے بندگانِ خدا کی ازدواجی زندگیوں میں خوشگواری آئی، کتنے تباہ حال دل،سکون آشنا ہوئے، کتنے اجڑتے گھر پھر سے آباد ہوئے، کتنے خاندانوں میں محبتوں کی بہاریں آئیں اور کتنے لوگ اسلام کی صحیح، درست اور فطری تعلیمات سے آگاہ ہوکر احکامات دین پر عمل پیرا ہوئے۔پھر قرب خداوندی کی نعمت اور معرفت الٰہی کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ہمارے حضرت جی قدس سرہ کو اللہ پاک کی طرف سے اسلام کی خوبصورت تعلیمات کو عہد حاضر کے مزاج و مذاق اور زمانۂ حال کے اسلوب وزبان میں پیش کرنے کا خصوصی سلیقہ عطا ہوا تھا۔چناں چہ ۷رقیمتی خطبات پر مشتمل ۲۷۵رصفحات کی اِس کتاب کا تقریباً ہر صفحہ اس کی مثال ہے۔ضرورت ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے اور بار بار۔تاکہ مضامین کتاب سے مکمل طور پر استفادے کے ساتھ ساتھ کتاب کے لفظ لفظ میں شامل جذبۂ دروں اور اس کی سطر سطر میں موجود اخلاص وللّٰہیت اور تاثیر سے بھی ہمیں حصہ ملے۔اس لیے یہ عاجز ترجیحی طور پر مکمل کتاب کے مطالعہ کا ہی پُرزور داعی ہے۔لیکن اِدھر پچھلے چند سالوں سے کتاب اور علم کے ماحول سے بڑھتی ہوئی دوری اور ذوقِ کتب بینی کی عمومی طور پر کمی کی وجہ سے یہ خیال آیا اور شدت سے آیا کہ اس کتاب کی تلخیص پیش کرنے کی کوشش کی جائے۔تاکہ"تلخیصِ کتاب" کم ازکم"اصل کتاب" کے مطالعے کا ذریعہ بن سکے۔ نیز زادِراہ کی حیثیت رکھنے والے اِس کتاب کے قیمتی اور اہم نکات، اسی طرح دروازۂ دل پر دستک دینے والے اِس کے پُردرد جملے اور اقتباسات؛ ازدواجی زندگی کے ہر موڑ پر ہماری نگاہوں کے سامنے رہیں۔اس لیے کہ بقولِ صاحبِ کتاب" دیکھنے میں تو یہ (نکاح) فقط دو بندوں کا ملاپ ہے اور معمول

کی کارروائی ہے، لیکن ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے تو دو بندوں کا یہ ساتھ ایک عہد، ایک زمانے کی بنیاد ہوتا ہے۔ اگر دونوں میاں بیوی شریعت و سنت کا خیال رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری کرتے ہیں تو محبت و یگانگت کی ایسی فضا پیدا ہوتی ہے کہ نہ صرف ان کی اپنی زندگی مسرت و شادمانی سے بھرپور ہوتی ہے بلکہ ان کی اولاد پر بھی اس کے مثبت اثرات ظاہر ہوتے ہیں اور ان سے ایسی نسلیں پیدا ہوتی ہیں جو زمانے کی قیادت کرتی ہیں۔" سبحان اللہ! رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا○ (ترجمہ: اے اللہ! ہمیں ایسی بیویاں اور ایسی اولاد عطا فرما، جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں اور انہیں متقیوں کا امام بنا) آمین۔

(سید احمد اللہ غوری نقشبندی مجددی)

(وضاحت: اِس کتاب میں حضرت جی قدس اللہ سرہٗ واعلی اللہ مراتبہ کے قیمتی ارشادات اور ملفوظات جابہ جا بکھرے موتیوں کی مانند ہیں، اس لیے بہ وقت تلخیص صفحاتی ترتیب ملحوظ رکھنے کی بجائے چند مرکزی عناوین کے تحت ارشادات نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے؛ البتہ ہر ملفوظ، ارشاد یا اقتباس کے بعد صفحہ نمبر ذکر کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، اسی طرح تلخیص میں اس امر کی بھی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے کہ حضرت جی قدس سرہ کے مبارک الفاظ اور جملے ہوبہو باقی رہیں اس لئے کہ راقم کا اعتقاد ہے کہ حضراتِ اہلِ دل کی زبان سے نکلنے والے جملوں میں بھی ایک قسم کا نور اور غیر معمولی تاثیر ہوتی ہے اور یہ بھی کہ اس سے استفادہ کے ساتھ ساتھ اس کی حفاظت کی بھی کوشش ہونی چاہیے۔ اسی لئے بس بدرجۂ مجبوری کہیں کہیں ذیلی عناوین کے اضافے یا جملوں کے درمیان ربط کے لیے مختصر الفاظ یا جملے بڑھائے گئے ہیں۔)

نکاح اور ازدواجی زندگی

☆ چار چیزیں انبیاء علیہم السلام کی سنتیں ہیں:

(۱) حیاداری (۲) خوشبو کا استعمال (۳) مسواک کرنا (۴) اور نکاح

پتہ چلا کہ تمام انبیاء علیہم السلام ازدواجی زندگی بسر کرتے تھے۔ (صفحہ ۲۴)

☆ "یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ سب انبیاء علیہم السلام دین کی دعوت کا مقدس فریضہ ادا

کرنے کے لئے مبعوث ہوئے؛ مگر اولاد اور بیویاں ان کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنا کرتی تھیں۔ گویا اس بات کو پختہ کر دیا گیا کہ ازدواجی زندگی سے فرار تو درحقیقت معاشرتی حقوق کی ادائیگی سے فرار ہے۔" (ص ۲۴)

پانچ نبوی وصیتیں:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے محبوب علیہ السلام نے پانچ چیزوں میں جلدی کی وصیت فرمائی: (۱) نماز چھوٹنے سے پہلے، اس کی جلد ادائیگی (۲) موت سے پہلے توبہ کرنے میں جلدی (۳) آدمی کے انتقال کے بعد کفن دفن میں جلدی (۴) قرض کی ادائیگی میں جلدی (۵) بیٹے یا بیٹی کا مناسب رشتہ مل جائے تو نکاح کرنے میں جلدی۔ (صفحہ ۲۵)

☆ یاد رکھیں کہ بچیاں جوان ہونے کے بعد جتنا عرصہ اپنے ماں باپ کے گھر میں رہتی ہیں، وہاں رہنے کے دوران اگر سوچ میں کوئی گناہ کریں یا ویسے گناہ کریں تو اس گناہ کا وبال ان کے والدین یا سرپرست پر پڑے گا، جنہوں نے ان کا فرض ادا کرنے میں کوتاہی کی (صفحہ ۲۷،۲۸)

☆ جہاں نکاح سستا ہوگا وہاں زنا مہنگا ہوگا اور جہاں نکاح مہنگا ہوگا وہاں زنا سستا ہوگا۔ (ص ۲۶)

☆ یہ سو فیصد پکی بات ہے کہ جہاں نکاح نہیں ہوگا، وہاں زنا ہوگا۔ (ص ۲۹)

☆ **ایک اصول یاد رکھیے کہ شریعت نے جو جائز خوشیاں بتائی ہیں، ان کو خوب خوشی خوشی مناؤ؛ اس لیے کہ اگر جائز خوشیوں کو ٹھیک طرح سے نہیں مناؤ گے تو پھر تم ناجائز خوشیوں کو منایا کرو گے۔ (صفحہ ۳۲)**

مسجد میں نکاح کرنے کا فائدہ:

گھروں میں (یا شادی خانوں میں) نکاح ہوگا تو آپ دیکھیں گے کہ کوئی تو بیٹھا گپیں مار رہا ہوگا، کوئی سگریٹ پی رہا ہوگا، کوئی تصویریں بنا رہا ہوگا گویا سب دل غافل ہوں گے؛ حالانکہ نکاح کا وقت وہ ہوتا ہے، جب دو افراد کی نئی زندگی کی بنیاد رکھی جا رہی ہوتی ہے اور اس بنیاد میں ان کو دعاؤں کی ضرورت ہوتی ہے، نکاح کے وقت زیادہ لوگوں کو بلانے کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ زیادہ لوگوں کی دعاؤں سے ان کے نئے گھر کی بنیاد پڑے۔ چناں چہ مسجد میں نکاح ہوگا تو لوگ باوضو رہیں گے، سب کے دل اللہ کی طرف

متوجہ رہیں گے اور خیر کی بات ہو رہی ہوگی، پھر لڑکے اور لڑکی کو دعاؤں کی شکل میں تحفہ مل رہا ہوگا۔(اسلامی تقریبِ نکاح کی اِس خوب صورتی اور دلکشی کی وجہ سے ہی) ہم نے یورپ اور امریکہ میں دیکھا کہ نکاح کی محفل کو دیکھ کر کئی غیر مسلم عورتیں اور مرد مسلمان ہو جاتے ہیں۔(صفحہ ۳۲، ۳۳)

☆ یاد رکھیں کہ (نکاح کی) جو عمارت دین کی بنیاد پر بنے گی، اللہ تعالیٰ اس کو پائیداری عطا فرمائیں گے۔(ص ۳۴)

☆ شریعت کے مطابق میاں بیوی کا اکٹھے ہو کر ایک دوسرے سے ملنا اللہ کے ہاں عبادت کہلاتا ہے، دین اسلام کا حسن دیکھیے کہ انسان اپنی ہی خواہش پوری کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر بھی اس کو اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں۔(صفحہ ۲۲، ۲۳)

☆ جب انسان شادی شدہ بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی عبادت کا اجر بڑھا دیتے ہیں۔(ص ۳۷)

☆ اسلام میں Love before marriage کا تصور نہیں ہے بلکہ Love after marriage کا تصور ہے۔(ص ۴۰)

☆ کفر کی دنیا میں شادی دو جسموں کا ملاپ ہوتی ہے اور دین اسلام میں شادی دو خاندانوں کا ملاپ ہوتی ہے۔(ص ۴۱)

☆ ”دراصل میاں اور بیوی ایک گاڑی کے دو پہیوں کی مانند ہوتے ہیں۔اگر یہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک ٹھاک اور ہموار چلتے رہیں تو زندگی کا سفر پُرسکون اور خوشگوار گذرتا ہے۔اگر یہ ٹیڑھے ہو جائیں یا اپنی جگہ چھوڑ دیں تو ایکسیڈنٹ سے گھر کی گاڑی تباہ ہو جایا کرتی ہے۔اور اگر پہیے تو چلتے رہیں لیکن ایسے بے ڈھب ہوں کہ ساری زندگی ”کھٹ کھٹ چوں چوں“ کا شور کرتے رہیں تو گاڑی مسلسل ہچکولے اور دھکے کھاتی رہتی ہے اور زندگی کا سفر انتہائی تلخ اور بے مزہ ہو کر رہ جاتا ہے۔“(ص ۱۶)

☆ ازدواجی زندگی کے بارے میں ایک بات ذہن میں رکھیے کہ جہاں محبت پتلی ہوا کرتی ہے، وہاں عیب موٹے نظر آتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں کے بتنگڑ بن جایا کرتے ہیں۔(۴۹، ۵۰)

☆ ایک بڑا انظام چلانے کے لیے انسان کو دل بھی بڑا رکھنا چاہیے۔لہٰذا انسان کو تحمل اور بردباری سے گھر کے معاملات نبھانے چاہئیں۔کتنی عجیب بات ہے کہ خاوند اپنی بیوی سے جھگڑتا ہے، جو زندگی

خاوند کے لیے وقف کر چکی ہوتی ہے اور بیوی اپنے خاوند سے جھگڑتی ہے جو اس کی زندگی میں اتنا بڑا مقام پا چکا ہوتا ہے۔(ص ۵۰)

☆ میری بات یاد رکھنا کہ میاں بیوی ایک دوسرے کی وجہ سے نہیں جھگڑتے؛ بلکہ جب بھی جھگڑیں گے کسی تیسرے کی وجہ سے جھگڑیں گے یا تو وہ ساس سسر ہوں گے یا بیوی کے میکے والے۔(ص ۵۱)

☆ شریعت نے ایک بات سمجھادی: لڑکی کو کہا کہ دیکھو نکاح سے پہلے ایک ماں تھی اور ایک باپ، اب تمہاری دو مائیں اور دو باپ ہیں، اسی طرح لڑکے کو بتادیا کہ تمہاری دو مائیں اور دو باپ ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ساس سسر کو ماں باپ کا درجہ دیا تو اس میں ایک بہترین اصول یاد رکھ لیجئے کہ شادی کے بعد لڑکی کو چاہیے کہ خاوند کے گھر والوں کو خوش رکھے اور خاوند کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کے گھر والوں کو خوش رکھے۔ جہاں یہ اصول دونوں میاں بیوی اپنالیں وہاں آپ دیکھیں گے کہ کبھی لڑائی نہیں ہوگی۔(ص ۵۱)

☆ میاں بیوی میں اگر منفی سوچ ہو تو ایک دوسرے کی ہر بات زہر معلوم ہوتی ہے۔(ص ۵۱)

☆ ازدواجی زندگی میں سب سے زیادہ نقصان دہ چیز منفی سوچ ہے۔(ص ۵۲)

☆ کہنے والے نے کہا کہ مکان تو ہاتھوں سے بن جایا کرتے ہیں مگر گھر ہمیشہ دلوں سے بنا کرتے ہیں۔ اینٹیں جڑتی ہیں تو مکان بن جاتے ہیں مگر جب دل جڑتے ہیں تو گھر آباد ہو جایا کرتے ہیں۔(ص ۵۳، ۵۴)

☆ قرآن مجید نے میاں بیوی کے تعلق کے بارے میں ایسی مثال دی کہ دنیا کا کوئی مذہب ایسی مثال نہ دے سکا۔ ارشاد فرمایا: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۸۷) تمہاری بیویاں تمہارا لباس ہیں اور تم اپنی بیویوں کا لباس ہو۔ لباس کے دو فائدے ہیں۔(۱) انسان کے عیبوں کو چھپاتا ہے۔ (۲) انسان کو زینت بخشتا ہے۔ اسی طرح میاں بیوی کے تعلق کے دو فوائد بڑے اہم ہیں۔ اگر یہ رشتہ نہ ہو تو میاں بیوی اپنے جنسی تقاضوں کے پیچھے معلوم نہیں کہاں کہاں ذلت و رسوائی اٹھاتے پھریں گے، لہٰذا اس خوبصورت رشتے کی وجہ سے ان کی شخصیت کے عیب چھپ گئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میاں بیوی کے اس رشتے کی وجہ سے ایک دوسرے کی زندگی کو زینت نصیب

ہو جاتی ہے۔ ورنہ زندگی میں جمال نہیں رہے گا بلکہ ہر وقت ملال رہے گا۔ ایک تیسری چیز جو عاجز کی سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ کہ لباس انسان کے جسم کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ لہٰذا لباس کی مثال دے کر خاوند کو پیغام دیا کہ ”اب زندگی میں سب سے زیادہ قریب ترین ہستی تمھاری بیوی ہے“ اور ”بیوی کو سمجھایا کہ اب زندگی میں تمھارے لیے سب سے قریب ترین ہستی تمھارے شوہر کی ہے۔“

(تلخیص ص ۴۸، ۴۹)

☆ ارشادِ ربانی ہے: وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً (سورۃ الروم، آیت ۲۱)۔ دین اسلام کا حسن دیکھیے کہ ازدواجی زندگی کے لیے دو لفظ استعمال کیے۔ ”مَوَدَّت“ اور ”رَحْمَت“۔ مودت کہتے ہیں آپس کے پیار کو، جس میں دوستی کا انداز زیادہ ہو اور رحمت کا مطلب ہے دوسرے کے اوپر شفقت کرنا۔ چناں چہ مودت کا تعلق جوانی کی زندگی کے ساتھ ہے اور رحمت کا تعلق بڑھاپے کی زندگی کے ساتھ ہے۔ اس لیے کہ جوانی کے اندر تو جنسی کشش دونوں کو اکٹھا رکھتی ہے اور بڑھاپے میں ایک دوسرے کی قربانیوں کا احساس جوڑے رکھتا ہے۔ (تلخیص ص ۶۲، ۶۳)

☆ گھروں کے اندر ساس بہو کے جھگڑے ہر جگہ ہوتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ علم کی کمی ہوتی ہے اور اگر دینی علم کے باوجود جھگڑے ہو رہے ہیں تو اس کی وجہ تربیت کی کمی ہے۔ (صفحہ ۱۵۳)

☆ جب میاں بیوی آپس میں بحث و مباحثہ کر رہے ہوتے ہیں تو بچے محسوس نہیں کراتے مگر سن رہے ہوتے ہیں، ان کے ذہنوں پر اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے۔ اس لیے بچوں کے سامنے بحث و مباحثہ سے بچیں، اس کا طریقہ یہی ہے کہ میاں بیوی آپس میں مشورے کے ساتھ ہر قسم کے معاملات طے کر لیا کریں۔ (صفحہ ۱۴۷)

☆ نرمی سے جو معاملات طے ہو جاتے ہیں وہ گرمی سے کبھی نہیں ہوتے۔ (صفحہ ۱۵۰)

☆ ضد کی وجہ سے گھر ٹوٹ جاتے ہیں، سکون لُٹ جاتا ہے، بے برکتی آتی ہے۔ (صفحہ ۱۵۰)

☆ میاں بیوی یہ اصول بنالیں کہ جب خاوند بول رہا ہو تو بیوی سنے اور جب بیوی بول رہی ہو تو خاوند سنے۔ درمیان میں ایک دوسرے کی بات کاٹنا جاہلوں کا شیوہ اور بیوقوفوں کی نشانی ہوتی ہے۔ (صفحہ ۱۵۹)

☆ میاں بیوی کو ایک دوسرے کے ساتھ مخلص ہو کر زندگی گذارنی چاہیے، پھر ایک دوسرے پر اعتماد

بڑھے گا۔ میاں بیوی آپس میں باتیں چھپاتے ہیں، اس سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ (صفحہ ۱۶۰)

☆ جب انسان غیروں کو معاف کر دیتا ہے تو پھر اپنوں کو تو جلدی معاف کر دینا چاہیے۔ (صفحہ ۱۶۱)

برائے مرد حضرات

خوش قسمت انسان:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ جس انسان کو پانچ چیزیں مل جائیں، وہ اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت انسان سمجھے۔ (۱) شکر کرنے والی زبان (۲) ذکر کرنے والا دل (۳) مشقت اٹھانے والا بدن (۴) وطن کی روزی (۵) اور نیک بیوی۔ (صفحہ ۳۸)

بیوی کا انتخاب کس بنیاد پر ہو؟

حدیث مبارک میں ہے کہ عورت سے چار وجوہات کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے۔ (۱) مال (۲) حسب نسب (۳) خوبصورتی اور (۴) دین۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہیں اس بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے لیے دین کی بنیاد پر رشتوں کو تلاش کرو۔ مال، خوبصورتی اور حسب نسب کمزور بنیادیں ہیں اور جب بنیاد ہی کمزور ہوگی تو زندگی کیسے نبھے گی۔ اس کے بجائے نیکی اور شرافت ایسی چیز ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ چناں چہ اس بنیاد پر جو گھر بنے گا وہ ہمیشہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا۔ (صفحہ ۳۹)

عورت کو پسلی سے پیدا کرنے میں ایک حکمت:

اللہ نے عورت کو مرد کی پسلی سے نکالا، اس میں بھی ایک میسج (پیغام) ہے۔ پاؤں سے اس لیے نہیں بنایا کہ تم اسے پاؤں کی جوتی نہ سمجھ لینا، سر سے اس لیے نہیں بنایا کہ تم اس کو سر پہ نہ بٹھا لینا بلکہ پسلی سے بنایا کہ یہ تمہارے دل کے سب سے زیادہ قریب ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ اے خاوندو! تم اپنی بیویوں کو دل کے قریب رکھنا، تمہاری زندگی اچھی گزر جائے گی۔ (صفحہ ۴۷)

اچھے خاوند کی صفات:

سیرت نبوی میں دو مثالیں ملتی ہیں۔ نبی علیہ السلام کے ایک داماد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی ممتاز صفات دیکھیں کہ اچھے تاجر تھے، معاشرے کے معزز فرد تھے، طبیعت میں نرمی تھی، اس قدر باحیا تھے کہ فرشتے بھی ان سے حیا کرتے تھے۔

نبی علیہ السلام کے دوسرے داماد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ ان کی ممتاز صفات پر نظر ڈالیں کہ شیر دل یعنی شجاع و بہادر تھے، پُرمشقت کام بھی کرتے تھے، ذمہ داریاں نبھانے والے انسان تھے اور علوم کے سمندر تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس سے بہتر مثالیں ہمیں دنیا میں کہیں اور نہیں مل سکتیں۔ (تلخیص ص ۴۵)

☆ خاوند کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کو اس کی تمام تر خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ اپنا لے۔ آخر وہ بھی تو انسان ہے، اس میں اچھائیاں بھی ہو سکتی ہیں اور کچھ خامیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ (ص ٦۴)

☆ خاوند کو یہ بات ذہن میں بٹھا لینی چاہیے کہ پیار کا وار تلوار سے زیادہ کارگر ہوتا ہے، وہ پیار سے اگر اپنی بیوی کو قائل نہیں کر سکا تو پھر تلوار سے بھی قائل نہیں کر سکے گا، اس بات کو اپنے بیڈروم میں لکھ کر لگا لیں، یہ پکی بات ہے۔ (صفحہ ۱۵۰)

دس حماقتیں:

بزرگوں نے لکھا ہے کہ دس چیزیں حماقتیں (بے وقوفی کی نشانیاں) ہیں، جن سے بندے کو بچنا چاہیے۔

(۱) نیکی نہ کرے اور جنت کی امید رکھے۔

(۲) خود بے وفا ہو اور دوسروں سے وفاداری کی امید رکھے۔

(۳) خود سست طبیعت ہو اور چاہے کہ اُس کی خواہشیں پوری ہوں۔

(۴) خود بڑوں کا نافرمان ہو اور اپنے چھوٹوں سے فرماں برداری کی امید رکھے۔

(۵) بیماری کے اندر بدپرہیزی کرے اور پھر شفا کی امید رکھے۔

(۶) اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کرے اور خوش حالی کی امید رکھے۔

(۷) مشکل وقت میں لوگوں کی مدد نہ کرے اور اپنے لیے اس کی امید رکھے۔

(۸) دوسرے کو راز کی بات بتا کر کہے کہ آگے کسی سے نہ کہے۔

(۹) دو چار دفعہ گناہ کر کے پھر اسے چھوڑنے کی امید رکھے۔

(۱۰) اپنی بیوی سے روزانہ جھگڑا کرے اور پُرسکون رہنے کی امید رکھے۔(تلخیص ص ۱۶۳ تا ۱۶۵)

شوہروں کی دس خطرناک غلطیاں: (تلخیص صفحہ ۶۸ تا صفحہ ۹۴)

(۱) بیوی کو نظر انداز کرنا:

خاوندوں کی ایک بڑی غلطی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی بیویوں کو وقت نہیں دیتے، محفل میں بیٹھیں گے تو اور لوگوں کو توجہ دیں گے لیکن بیوی کی طرف دھیان نہیں دیں گے، اسی طرح اول تو گھر دیر سے آتے ہیں اور پھر آ بھی جائیں تو اِدھر اُدھر کے کاموں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ اپنی بیوی کو Ignore (نظر انداز) کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔

(۲) طلاق کی دھمکی دینا:

دوسری غلطی یہ کرتے ہیں کہ بیوی کے سر پر ہر وقت طلاق والی تلوار لٹکائے رکھتے ہیں۔ یاد رکھنا کہ جو خاوند ایسا کرے گا اس کی بیوی کبھی اطمینان سے نہیں رہ سکتی، اس کو تو اپنی ذات بے سہارا نظر آنے لگتی ہے، ہم نے تجربہ کیا ہے کہ جو لوگ بات بات پر کہتے ہیں کہ ہم تمہیں طلاق دے دیں گے ان کی بیویاں اگر دین دار نہ ہوں تو وہ دوسرے مردوں کے چکر میں پڑ جاتی ہیں۔ وہ ان کو بھی متبادل کے طور پر رکھتی ہیں، پھر ان کے ذہن میں گناہ گناہ نہیں رہتا۔

(۳) دوسری شادی کی دھمکی دینا:

شریعت نے گو مرد کو اجازت دی ہے کہ وہ چار شادیاں کر سکتا ہے، لیکن جب بیوی مرد کے تقاضے پورے کر رہی ہے تو اس کو دوسری شادی کی دھمکی دینا خطرناک غلطی ہے۔ یاد رکھنا! دو بیویوں

کے درمیان عدل وانصاف کرنا فرض ہے اور یہ انسان کے بس کی بات نہیں۔ خود قرآن کریم میں ارشاد ہے وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ (سورۃ النساء، آیت نمبر ۱۲۹)
ترجمہ: تم بیویوں کے درمیان انصاف نہیں کرسکتے، گو تم کتنے ہی حریص کیوں نہ ہو جاؤ۔

(۴) بے عزت کرنا:

چوتھی غلطی یہ کرتے ہیں کہ اپنی بیوی کی کسی غلطی پر اسے لوگوں کے سامنے روک ٹوک کرتے ہیں، ڈانٹ پلاتے ہیں، بے عزت کرتے ہیں۔ ہر ایک کی اپنی عزت نفس ہوتی ہے، جب کسی کی عزت نفس کو مجروح کیا جائے گا تو پھر اس انسان کا دل ٹوٹ جائے گا اور یہ چیز گناہ میں شامل ہے۔ اس لیے بیوی کی غلطی پر اگر نصیحت کرنی ہے تو تنہائی میں کریں اور اگر تعریف کرنی ہے تو لوگوں کے سامنے کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ بیوی کو دوسروں کے سامنے کبھی بھی تنقید کا نشانہ نہ بنائیں، وہ آپ کی زندگی کی ساتھی ہے۔

(۵) وقت نہ دینا:

بیوی کا ایک بنیادی حق یہ بھی ہے کہ خاوند اس کو وقت دے، خاوند ماں باپ، بھائیوں، بہنوں کے پاس تو بیٹھا رہتا ہے لیکن بیوی کو وقت نہیں دیتا، بالآخر یہ چیز جھگڑے کا ذریعہ بنتی ہے، لہٰذا اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔

(۶) بیوی کے لیے پابندی، اپنے لیے آزادی:

ایک بات سمجھنے کی ہے کہ جب بھی انسان گھر میں اصول بنائے تو اصول سب کے لیے ہونے چاہییں، اگر بیوی کے لیے اصول ہیں تو خاوند کے لیے بھی اصول ہونے چاہییں، خاوندوں سے ایک غلطی یہ ہوتی ہے کہ گھر میں تو اصولوں کی پابندیاں کرواتے ہیں مگر خود اصولوں کی پابندی نہیں کرتے۔

(۷) نکتہ چینی کی عادت:

ایک خطرناک غلطی خاوندوں سے یہ بھی ہوتی ہے کہ بیوی کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر نکتہ چینی

کرتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر تنقید کی عادت نہیں ڈالنی چاہیے۔

خاوندوں کو کچھ چیزیں برداشت کر لینی چاہیے، ہاں کوئی بڑی بات ہے جو اصولوں کے خلاف ہے یا شریعت میں گناہ ہے تو اس پر واقعی ایکشن لینے کی ضرورت ہوتی ہے، مگر معمولی باتوں میں نکتہ چینی، یہ تو واہیات بات ہے۔ ایک اصول یاد رکھیں کہ بہترین پرفارمنس (کارکردگی) کے لیے لچک ضروری ہے۔

(۸) تیسرے بندے کی خاطر بیوی سے جھگڑنا:

اس عاجز کا تجربہ ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے سے کبھی نہیں جھگڑتے، بلکہ جب بھی آپس میں جھگڑتے ہیں تو تیسرے کی وجہ سے جھگڑتے ہیں۔ اب وہ تیسرا فرد یا تو خاوند کی ماں ہوگی، یا بہن ہوگی یا کوئی اور ہوں گے، یا پھر وہ تیسری چیز بزنس وغیرہ ہوگی، اس لیے اس سے بھی بچنا چاہیے۔

(۹) الزام لگانا:

بعضے خاوندوں سے ایک غلطی یہ ہوتی ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی بات پر اپنی بیوی پر شک کرنے لگتے ہیں، یا اس پر الزام لگا دیتے ہیں، اور ضروری نہیں کہ الزام کوئی غیر اخلاقی ہی ہو، دوسرے الزامات بھی خاوند لگاتے رہتے ہیں، مثلاً نقصان کو بیوی کی طرف منسوب کر دیا، بچوں کی نافرمانی پر بیوی کو قصوروار قرار دے دیا وغیرہ۔ یاد رکھنا کہ بیوی خاوند کا ہر ظلم برداشت کر سکتی ہے لیکن خاوند کا الزام برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ اتنی خطرناک چیز ہے کہ گھر کی بنیاد ہی اکھاڑ دیتی ہے۔

(۱۰) بیوی کے رشتہ داروں سے بے اعتنائی (لاپرواہی):

آخری بڑی غلطی یہ کرتے ہیں کہ بیوی سے تو محبت کا اظہار کرتے ہیں لیکن اس کے ماں باپ، بھائیوں یا رشتہ داروں میں کمیاں اور خامیاں نکالتے رہتے ہیں، یہ چیز بھی آپسی جھگڑے کا سبب بنتی ہے، اس لیے اس سے بھی بچنا چاہیے۔

شوہر کے لیے دس سنہری اصول: (تلخیص صفحہ ۹۶ تا صفحہ ۱۳۶)

(۱) ہمیشہ مسکراتے ہوئے گھر میں آئیں:

مسکراتے ہوئے گھر میں داخل ہونا نبی علیہ السلام کی سنت ہے۔ خاوند کو چاہیے کہ وہ جب بھی گھر میں داخل ہو تو باہر کے جھگڑے باہر دفن کر کے آئے، گھر میں بیوی کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے میاں کے لیے کھانا تیار کر کے دو دو گھنٹے بھوک کی حالت میں انتظار کرتی رہتی ہے کہ میاں آئیں گے تو ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے گی، اور خاوند باہر کے مسائل گھر میں لے آتا ہے، ایسے میں پھر ان کے درمیان جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے مرد جب بھی گھر میں قدم رکھے تو نبی علیہ السلام کی سنت کے مطابق چہرے پر خوشی اور مسکراہٹ سجائے داخل ہو، اپنی بیوی کو محبت کی نظر سے دیکھے اور سلام کرے، پھر خوشیوں کا جواب خوشیوں سے ملے گا اور گھر کے اندر شیطان کو داخل ہونے کا موقع نہیں ملے گا۔

(۲) بیوی کے اچھے کاموں کی تعریف کریں:

انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کوئی اچھا کام کرے تو چاہتا ہے کہ اس کی تعریف کی جائے۔ بیوی جب گھر میں سارا دن کام کاج میں مصروف رہتی ہے تو اسے بھی اس کی محنت کا صلہ ملنا چاہیے کہ خاوند اس کے اچھے کاموں پر چند تعریفی جملے کہہ دے۔ پتہ نہیں خاوندوں کی زبان کیوں گنگ ہو جاتی ہے کہ اپنی بیوی کے اچھے کاموں کے بارے میں ایک لفظ نہیں بولتے اور جہاں ذرا سی کوئی کمی کوتاہی نظر آتی ہے وہاں تنقید کرنے سے باز نہیں آتے۔ یہ انتہائی ناانصافی کی بات ہے اور اسی کی وجہ سے گھر میں پریشانیاں آتی ہیں۔

(۳) بیوی کے کاموں میں دلچسپی لے:

گھر کے کئی کام کاج ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی طرف مرد دھیان اور توجہ نہیں دیتے، کم از کم وہ کام جن میں عورت کی سہولت و آرام کا دخل ہو، ان میں مرد کو ضرور کچھ نہ کچھ توجہ کرنی چاہیے۔ نبی علیہ السلام کی مبارک سنت تھی کہ کبھی کبھی گھر میں آٹا گوندھ دیتے تھے۔

(۴) کبھی بیوی کو ہدیہ اور تحفہ دیا کریں:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تَهَادَوْا تَحَابُّوا (الادب المفرد رقم: ۵۹۴) ترجمہ: تم آپس میں ہدیہ دیا لیا کرو، اس سے محبت بڑھے گی۔ ہدیہ فقط مردوں کو ہی نہیں دیا جاتا، بلکہ بیوی کو بھی دینا چاہیے، وہ تو زندگی کی ساتھی ہے۔ بیوی تو محبت کی طلبگار ہوتی ہے، خاوند کی چیز بہت قیمتی ہے یا کم قیمتی ہے، اس سے بیوی کو کوئی غرض نہیں ہوتی۔ لہٰذا اپنی بیوی کو چھوٹی سی چیز ہی سہی، ہدیہ دیا کرو؛ اس لیے بھی کہ خاوند کا تحفہ بیوی کو یاد رہتا ہے۔ پھر اس کام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم سمجھ کر یا نبی علیہ السلام کی سنت سمجھ کر بھی وقتاً فوقتاً کرنا چاہیے تاکہ گھروں سے نفرتیں اور جھگڑے نکل جائیں۔

(۵) بیوی سے محبت و ملاطفت کا اظہار کریں:

شوہر کی زبان سے دو میٹھے بول بول دینے سے بھی بیوی کا دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور وہ سوچتی ہے کہ میرے خاوند کو واقعی مجھ سے بہت محبت ہے۔ آج کل بڑے بڑے دیندار لوگ بھی اپنی بیویوں کے ساتھ خشک رویہ رکھتے ہیں، یہ بات بالکل درست نہیں۔ لطف اور محبت کو غالب رکھنا چاہیے۔ اللہ کے محبوب علیہ السلام اماں جان عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کبھی کبھی پیار سے حمیرا کہا کرتے تھے، یہاں سے ایک بات نکلی کہ بیوی کو ایسے نام سے پکارنا جس کو بیوی پسند کرے، یہ سنت ہے۔ آج کفر کی دنیا اپنے گھروں کا ماحول اچھا رکھنے کے لیے کبھی بیوی کو ہَنی ''Honey'' کہہ دیتی ہے اور کبھی سویٹی ''Sweetie'' کہہ دیتی ہے، مسلمانوں کو بھی محبوب علیہ السلام کی سنت پر عمل کرنا چاہیے۔ اس سے سنت پر عمل کا ثواب بھی ملے گا اور گھر کے اندر محبتوں کا ماحول بھی پیدا ہوگا۔

(۶) دل لگی اور دل جوئی کی باتیں کیا کریں:

بیوی کے ساتھ دلجوئی اور دل لگی کی باتیں کرنا بھی انسان کیلئے اجر کا باعث ہے، یہ کوئی زَن پرستی نہیں، یہ تو نبی علیہ السلام کی سنت کی پیروی ہے کہ گھر کے اندر آپ پیار و محبت کی فضا قائم رکھیں۔

(۷) تحمل اور درگذر سے کام لیا کریں:

خاوند کو اپنا دل بڑا رکھنا چاہیے اور چھوٹی موٹی غلطیوں سے درگذر کرنا چاہیے؛ اس لیے کہ جتنا دل بڑا ہوگا اتنا ہی انسان گھر کے اندر عظیم سمجھا جائے گا۔ جب انسان کسی کی غلطی کا بدلہ لے سکتا ہو، ڈانٹ پلا سکتا ہو، سزا دے سکتا ہو اور پھر وہ معاف کر دے تو جس کو معاف کیا جاتا ہے، اس کے دل میں عظمت بڑھ جایا کرتی ہے۔ لہٰذا چھوٹی موٹی غلطیوں پہ نصیحت تو کر دینی چاہیے؛ مگر ڈانٹ ڈپٹ ہر وقت نہیں کرنی چاہیے، پھر ڈانٹ ڈپٹ کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی علیہ السلام سے زیادہ معاف کر دینے والا کسی کو نہیں پایا۔

(۸) گھر میں شریعت کی پابندی کروائیں:

یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں گھر کی نعمت دی، اب گھر کے اندر شریعت کو لاگو کرنا، اور محبوب علیہ السلام کی سنتوں کو زندہ کرنا، یہ خاوند کا فریضہ ہے، اگر وہ اس فرض سے سبکدوش نہیں ہوگا تو قیامت کے دن اپنے محبوب کو چہرہ کیسے دکھائے گا؟ اس لیے خود بھی شریعت کی پابندی کیجیے اور اپنی بیوی کو بھی پیار و محبت سے شریعت کی پابندی کے اوپر لے آئیے۔

(۹) میاں بیوی دونوں ایک وقت میں غصہ نہ کھائیں:

یہ اصول بنالیں کہ ہم دونوں کبھی بھی ایک وقت میں غصے میں نہیں آئیں گے، بیوی اگر غصہ کرے تو خاوند کو چاہیے کہ اس سے پیار سے بات کرے، یہ بھی نبی علیہ السلام کی سنت ہے۔

(۱۰) آپس میں ناراضی کی حالت میں کبھی نہ سوئیں:

دسواں اصول یہ ہے کہ اگر کبھی آپس میں بحث ہو جائے تو ناراضی کی حالت میں نہیں سونا چاہیے؛ بلکہ ایک دوسرے سے معافی تلافی کر لینی چاہیے۔ **اپنی زندگی میں یہ اصول بنالیں کہ میاں بیوی میں فقط جیت ہوتی ہے!**

بیوی کی تین بنیادی ضرورتیں:

دنیا کی ہر عورت کو اپنی ازدواجی زندگی میں تین چیزوں کی بنیادی ضرورت ہوتی ہے۔

(۱) تحفظ (Protection):

بیوی اپنے شوہر کی خاطر گھر بار چھوڑ کر آئی ہے تو اسے اپنی جان کا تحفظ، اپنی عزت کا تحفظ اور اپنے ایمان کا تحفظ چاہیے۔ جب خاوند بیوی کو تحفظ دے گا تو وہ محسوس کرے گی کہ یہ میری زندگی کا سایہ ہے۔ گویا محسوس کرے گی کہ وہ دو چھتوں میں رہتی ہے؛ ایک آسمان کی چھت اور ایک خاوند کے گھر کی چھت۔

(۲) توجہ (Attention):

خاوند کی ذمہ داریوں میں سے ہے کہ وہ اپنی بیوی کو توجہ دے اور اس کے ساتھ وقت گذارے۔ زندگی کی کتنی باتیں ہوتی ہیں جو اس نے اپنے خاوند سے کرنی ہوتی ہیں۔ لہٰذا خاوند اپنی بیوی کو وقت دے، اس کی ضروریات کو محسوس کرے اور اس کا حال احوال پوچھے۔

(۳) حوصلہ افزائی (Apprecition):

انسان کی فطرت ہے کہ اس کے اچھے کام کو اچھا کہا جائے۔ اگر کوئی اچھے کام کو اچھا نہ کہے تو اس کا دل ٹوٹتا ہے۔ چنانچہ بیوی بھی اپنے خاوند سے یہ چاہتی ہے کہ جب وہ اس کی ہر چیز کی حفاظت کرتی ہے اور اس کے کہنے کے مطابق ہر کام پورا کرتی ہے تو اسکے اپنے اچھے کاموں پر اسے شاباش بھی ملنی چاہیے اور اس کی قدر ہونی چاہیے۔ (تلخیص ٦٣ تا ٦٨)

بہترین انسان کون؟

"کسی بندے کی اچھائی کا اندازہ لگانا ہو تو اس کے دوستوں سے نہ پوچھیں، کاروبار نہ دیکھیں، بلکہ پوچھنا ہو تو اس کی بیوی سے ذرا پوچھیں کہ یہ کیسا انسان ہے۔ اگر بیوی یہ کہے کہ اس کی

معاشرت اچھی ہے تو وہ اچھا انسان ہے۔ ارشاد نبوی ہے: أَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي (مشکاۃ المصابیح: ۲۸۱/۲) ترجمہ: میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ تم میں سب سے بہتر ہوں۔

بیوی خاوند کی معتقد کب ہوگی؟:

"ایک اصول بتادیتا ہوں کہ جب بیوی کو گھر کے اندر شریعت کی زندگی ملتی ہے تو وہ اپنے خاوند کی معتقد ہو جاتی ہے۔ توجہ فرمائیں کہ نبی علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ آپ کے اخلاق سے اتنی متاثر اور آپ کی گھر کی زندگی سے اس قدر مطمئن تھیں کہ جب آپ علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا تو سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والی خود آپ کی زوجۂ محترمہ تھیں۔" (تلخیص ص ۱۷۲)

مکافاتِ عمل کیسے ہوگی؟:

آج تک ہم نے اپنی بیوی کا جو دل دُکھایا ہے، اس کی مکافات اس طرح ہوسکتی ہے کہ اب بیوی کو پہلے سے زیادہ پیار دیں، اتنا کہ وہ خوش ہو کر دعائیں دینے لگے۔ (تلخیص ص ۱۷۱، ۱۷۲)

بیویوں کے سلسلے میں دو اہم سفارشیں

سفارشِ خداوندی:

ارشاد ربانی ہے: وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (سورۃ النساء، آیت: ۱۹) ترجمہ: تم اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے انداز سے زندگی گذارو۔

مفسرین کرام اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ ان دو لفظوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے خاوندوں سے بیویوں کے سلسلے میں سفارش کی کہ اے خاوند! تو اپنی بیوی کے ساتھ اچھی زندگی گذار۔ لہٰذا مفسرین نے لکھا ہے کہ جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی سفارش کا لحاظ رکھے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ میں نہیں ڈالیں گے۔

سفارشِ نبوی:

نبی علیہ السلام نے دنیا سے پردہ فرمانے سے پہلے دو باتوں کی وصیت فرمائی الصَّلَاةُ وَمَا

مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ یعنی نماز کا اہتمام کریں اور ماتحتوں کا خیال رکھیں۔ چنانچہ بیوی بھی اپنے شوہر کی ماتحت ہوتی ہے۔لہٰذا بیویوں کے بارے میں نبی علیہ السلام کی بھی حسن سلوک کی سفارش ہے۔
(تلخیص ص ۱۶۸ تا ۱۷۰)

شوہروں کے لیے کچھ امور، جن کے اہتمام سے ازدواجی زندگی خوشگوار ہو سکتی ہے:

☆ عشاء کے بعد جلد سونے کی عادت ڈالیں۔

☆ بچوں کے سامنے بحث ومباحثے سے بچیں۔

☆ اپنی ضرورت حلال طریقے سے پوری کریں۔

☆ اولاد پر توجہ دیں۔

☆ گھر کی عورتوں پر توجہ دیں۔

☆ گھر کے اندر پُروقار رہیں۔

☆ تحمل مزاجی اختیار کریں ۔

☆ درگذر سے کام لیں۔

☆ بیویوں کو کچھ ذاتی خرچ دیا کریں۔

باعثِ سکون تین چیزوں کو اکٹھا کرلیں:

قرآن کریم نے تین چیزوں کو ذریعۂ سکون قرار دیا۔(۱) رات (۲) گھر (۳) بیوی۔ چنانچہ جو لوگ رات کے اوقات، اپنے گھروں میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ گذارتے ہیں، ان کی زندگی کے اندر سو فیصد سکون ہوتا ہے۔ (تلخیص ص ۱۳۸ تا ۱۴۰)

بیوی کی حیثیت:

نبی علیہ السلام کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گود میں آپ کا سر مبارک تھا۔کیا حضرات شیخین ابوبکرؓ وعمرؓ نہیں ہو سکتے تھے؟ اور دوسرے صحابہ کرامؓ بھی اس

جگہ خدمت کے لیے یقیناً ہو سکتے تھے۔ مگر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ دیکھو تمہاری زندگی میں بیوی کی وہ حیثیت ہے کہ اگر تم دنیا کو چھوڑ کر بھی جانا چاہتے ہو تو بیوی کی گود سب سے زیادہ بہتر جگہ ہے۔ (صفحہ ۲۲۰)

خواتین کے لیے

بہترین عورت کی نشانیاں:

(۱) جب خاوند کسی بات کا حکم دے تو حکم مانے۔

(۲) جب خاوند اس کی طرف دیکھے تو اس کو خوش کر دے۔

(۳) خاوند کی عدم موجودگی میں اس کے مال کی اور اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرے۔

اچھی بیوی کی چار صفات:

اہل اللہ نے لکھا ہے کہ بیوی میں چار صفات ضرور ہونی چاہیے۔

(۱) اس کے چہرے پر حیا ہو۔

(۲) اس کی زبان میں شیرینی ہو۔

(۳) اس کے دل میں نیکی ہو۔

(۴) اس کے ہاتھ کام کاج میں مصروف رہیں۔

☆ ’’بعض مشرقی لڑکیاں تو اس قدر پاک دامن ہوتی ہیں کہ ان میں حوروں والی صفات جھلکتی ہیں۔ مثلاً: عُرُباً (خاوندوں کی عاشق) قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ (غیر مردوں کی طرف مائل نہ ہونے والیاں)۔ یہ اسلام کی برکت ہے کہ مشرق میں آج بھی بعض ایسی معصوم جوانیاں ہوتی ہیں، جو اپنے گھر سے قدم نکالتی ہیں تو ان کے دلوں میں کسی غیر مرد کا دخل نہیں ہوا کرتا۔ کئی ایسی بھی ہوتی ہیں کہ خاوند کا سایہ سر سے اٹھ گیا لیکن بچوں کی خاطر اپنی پوری زندگی (یوں ہی) گذار دیتی ہیں۔ (ص ۵۵)

دنیا کی بہترین عورت:

ایک دفعہ نبی علیہ السلام کی محفل میں بات چلی کہ دنیا کی عورتوں میں بہترین عورت کونسی ہے؟ کسی نے کوئی صفت بتائی تو کسی نے کوئی دوسری صفت بتائی، اتنے میں حضرت علیؓ کسی کام سے گھر تشریف لے گئے تو یہی سوال انہوں نے حضرت فاطمہؓ سے پوچھ لیا۔ حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا کہ دنیا کی سب سے بہترین عورت وہ ہے جو نہ خود کسی غیر مرد کی طرف دیکھے اور نہ کوئی غیر مرد اس کی طرف دیکھ سکے، حضرت علیؓ نے واپس آ کر مجلس نبوی میں یہ جواب سنایا تو نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا فَاطِمَةُ بُضْعَةٌ مِنِّي (فاطمہ تو میرے جگر کا ٹکڑا ہے) (صفحہ ۴۳)

☆ ''اللہ رب العزت نے فطری طور پر عورت میں فرماں برداری، محبت اور شفقت، تین قسم کے جذبات رکھے ہیں۔ اس اعتبار سے اس کو زندگی میں تین طرح کا انداز اختیار کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً: والد، بھائی اور خاوند کے سامنے فرماں برداری کا... والدہ، بہن اور دوسری عورتوں کے ساتھ محبت کا... اور اولاد کے ساتھ شفقت کا۔'' (ص ۱۷۴)

اچھی بیوی کی چار صفات:

(۱) دین کے معاملے میں خاوند کی مددگار ہو۔

(۲) ایسی ہو کہ (اس کے مزاجِ خدمت، عادتِ اطاعت، خوئے وفا اور نیکی کی وجہ سے) اس کو دیکھ کر شوہر کا دل خوش ہو جائے۔

(۳) اپنے میاں کی بات مانتی ہو۔

(۴) اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرنے والی ہو۔ (تلخیص ۱۷۵ تا ۱۷۹)

خوش نصیب کون؟

''آج لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص بڑا خوش نصیب ہے۔ سچ بات یہی ہے کہ خوش نصیب وہی انسان ہے جو اپنے نصیب پر خوش ہو جائے۔ جب لڑکی کی شادی ماں باپ نے مشورے کے ساتھ کر دی تو اب خاوند جیسا بھی ہو، اس پر خوش ہو جائے۔'' (ص ۱۷۹)

عورت کا راہِ سلوک:

”ایک نکتے کی بات عرض کرتا چلوں۔ ہمارے مشائخ نے کتابوں میں لکھا ہے کہ عورت اگر اپنے خاوند کی اطاعت کرے تو وہ راہ سلوک کی تمام منزلیں طے کر سکتی ہے؛ بلکہ عاجز تو یوں کہتا ہے کہ **عورت کو خاوند کی اطاعت سے اتنا فائدہ پہنچ سکتا ہے جتنا کہ مرشد کی اطاعت سے بھی نہیں پہنچ سکتا**۔ اس لئے کہ خاوند ہر وقت گھر میں ہوتا ہے۔ خاوند کی کڑوی کسیلی سن لینے سے اسکے نفس کے اوپر زیادہ اثر پڑتا ہے اور ”میں“ مرتی ہے۔ تو جیسے مردوں کیلئے کہا گیا کہ وہ کسی اللہ والے کے سامنے اپنے آپ کو پامال کر دیں، اسی طرح عورتوں کو کہا گیا کہ وہ اپنے خاوند کے سامنے اپنے نفس کو پامال کر دیں۔“ (ص ۱۸۰،۱۸۱)

بیویوں کے لیے بیس رہنما اصول: (تلخیص صفحہ ۱۸۱ تا صفحہ ۲۱۴)

(۱) کھانے کو ذکر و فکر کے ساتھ پکائیں۔

(۲) ہر کام کو اپنے وقت پر سمیٹنے کی عادت ڈالیں۔

☆ آج مصیبت یہ ہے کہ گھر میں کام کو عورتیں عبادت سمجھ کر نہیں، مصیبت سمجھ کر کرتی ہیں۔

(۳) گھر کو صاف ستھرا رکھیں۔

(۴) سنی سنائی باتیں آگے بیان نہ کریں۔

(۵) خاوند کو دعاؤں کے ساتھ گھر سے رخصت کیا کریں۔

(۶) خاوند کے آنے سے پہلے اپنے کو صاف ستھرا کر لیں۔

(۷) رشتہ داروں کے ہاں صلہ رحمی کی نیت سے جائیں۔

(۸) شوہر کو صدقہ خیرات کی ترغیب دیتی رہیں۔

(۹) گھر کے اندر ایک جگہ مصلّے (نماز، عبادت) کے لیے مخصوص کر دیں۔

(۱۰) فون پر مختصر بات کرنے کی عادت ڈالیں۔

(۱۱) اہم باتیں نوٹ کرنے کے لئے ایک نوٹ بک بنائیں۔

☆ یہ بات دل کے کانوں سے سنیے کہ بے انتظامی اور (کاموں کی) بے ترتیبی کی وجہ سے آج

عورتیں غیر اہم کاموں میں اتنا الجھ جاتی ہیں کہ اہم کاموں کی طرف توجہ نہیں دے پاتیں، یاد رکھیے کہ جب آدمی کسی کام کو اچھا پلان کر لیتا ہے تو یوں سمجھو کہ آدھا کام ہو جاتا ہے۔

(۱۲) کچھ ضرورت کی چیزوں کو سنبھال کر رکھیں۔

☆ مثلاً ابتدائی طبی امداد کا بکس First aid box وغیرہ۔

(۱۳) کوئی ایسا کام نہ کریں جس کی وجہ سے خاوند کی نظروں سے گر جائیں۔

(۱۴) بچوں کے بارے میں اپنے خاوند سے مشورہ کرتی رہیں۔

(۱۵) خاوند کی ضرورت پوری کرنے میں کوئی تردد نہ کریں۔

☆ یہ انتہائی اہم چیز ہے جس کا خیال نہ کرنا اکثر جھگڑوں کا سبب بنتا ہے۔

(۱۶) خاوند کو پریشانی کے وقت تسلی دیں۔

☆ خاوند کو پریشانی کے وقت تسلی دینا یہ صحابیات کی سنت ہے۔

(۱۷) غلطی مان لیں اور خاموشی اختیار کریں۔

☆ غلطی کو مان لینا عظمت ہے، غلطی تسلیم کر لینے میں عزت ہوتی ہے۔

☆ یاد رکھنا کہ چپ رہنا بھی ایک جواب ہے، عورتیں یہ بات ذرا دل پر لکھ لیں۔

(۱۸) اپنے دل کا غم فقط اللہ کے آگے بیان کریں۔

☆ شکوے شکایتیں لوگوں کے سامنے یا میاں کے سامنے کہنے کی بجائے اللہ سے کہنے کی عادت ڈال لیں۔

(۱۹) خاوند کے قرابت داروں سے اچھا سلوک کریں۔

☆ خاوند کے قرابت داروں سے اگر آپ جھگڑے کریں گی تو سمجھ لیں کہ خود اپنے خاوند سے جھگڑ رہی ہیں۔

(۲۰) اگر خالق کی نافرمانی ہوتی ہو تو مخلوق کی اطاعت نہ کریں۔

عورت مرد کے لیے ایک حسین تحفہ:

عورت اللہ رب العزت کی طرف سے مرد کی زندگی میں سکون پیدا کرنے کا ایک حسین تحفہ

ہے۔عورت اگر نیک ہوتو یہ جنگل میں منگل بنا سکتی ہے، ویران جگہ کو گلستاں بنا سکتی ہے۔ اگر اس پر شرافت اور نیکی غالب ہوتو یہ گلاب کا پھول ہے، چمپا کی کلی ہے، نیلوفر کی پتی ہے۔ نبی علیہ السلام نے نیک خاتون کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ، وَخَيْرُ مَتَاعِهَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ (رواہُ مسلم) ترجمہ: دنیا ایک متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک بیوی ہے۔تو دنیا میں سب سے بڑا انعام مرد کے لیے نیک بیوی کا ہونا ہے۔(صفحہ ۲۱۶،۲۱۷)

مومنوں اور کافروں کی بیویوں میں ایک فرق:

کافروں کے معاشرے میں اکثر یہ بات سنی گئی کہ تین W ڈبلیو ایسے ہیں کہ جن کا کوئی اعتبار نہیں۔ ایک Wheather (موسم)، واقعی فرنگیوں کے ملکوں میں موسم اسی قسم کا ہوتا ہے، دوسرا Work (کام) وہ کہتے ہیں کہ کام کے بارے میں نہیں کہہ سکتے، ابھی آپ کے پاس کوئی کام نہیں اور ابھی آپ کے پاس کام کی بھر مار ہوجائے۔اور تیسرا W سے Wife (بیوی) وہ کہتے ہیں کہ اس کا بھی کوئی بھروسہ نہیں، آج کسی کے پاس ہوگی تو کل کسی اور کے پاس ہوگی۔ یہ کافروں کی بیویوں کی بات ہے۔

لیکن مومنہ عورت کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔وہ اللہ کی بندی اعتماد والی ہوتی ہے، اور اللہ کے نام پر بہت پکا عہد کر چکی ہوتی ہے وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا (ترجمہ: اور وہ تم سے ایک مضبوط اقرار لے چکی ہیں اور مرتے دم تک اپنے عہد کو نبھاتی ہیں، اپنے شوہر کی دہلیز کو چھوڑنا کبھی گوارا نہیں کرتیں۔(۲۱۸،۲۱۹)

بیوی کو اپنے خاوند کا غم خوار ہونا چاہیے:

نبی علیہ السلام کی مبارک زندگی دیکھیں کہ جب وحی اتری تو (غور کریں کہ) آپ نے جا کر اپنے دل کا غم کس کے سامنے کھولا؟ بیوی کے سامنے! بیوی نے آپ کو کمبل اُڑھایا، بیوی نے ہی آپ سے تسلی کی باتیں کیں، بیوی ہی آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے کر گئیں، تو دیکھیے کہ زندگی کے اتنے بڑے بوجھ کے موقع پر بیوی ساتھ نظر آتی ہے۔(صفحہ ۲۱۹،۲۲۰)

بیوی کی پریشانی انسان کو بوڑھا کردیتی ہے:

نافرمان اور ناموافق بیوی بندے کو بوڑھا کرنے میں گھوڑے کی ڈاک کا کام کرتی ہے۔اسی لیے قرآن کریم میں ہے کہ رحمن کے بندے اللہ سے دعا کرتے ہیں: رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا (ترجمہ: اے اللہ! ہمیں ایسی بیویاں دے اور ایسی اولادیں دے جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں) کہ جن کو دیکھیں تو دل باغ باغ ہوجائے، طبیعت میں فرحت پیدا ہوجائے، ترنگ آجائے، ایسی بیوی ہو اور ایسے بچے ہوں۔ **اور جو بیوی انسان کے ساتھ موافقت نہ کرنے والی ہو، دین کے معاملے میں قدم ساتھ نہ بڑھانے والی ہو یا دوسرے معاملات میں مرد کی اطاعت گذار نہ ہو تو اس جیسا مظلوم انسان دنیا میں کوئی نہیں ہے۔** اسی لیے حدیث پاک میں دعا سکھائی گئی ہے:

اللّٰھُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ امْرَأَةٍ تُشَيِّبُنِي قَبْلَ الْمَشِيبِ (المستدرك على الصحيحين) ترجمہ: اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں ایسی عورت سے جو بڑھاپے سے پہلے مجھ کو بوڑھا کردے۔ (صفحہ ۲۲۰،۲۲۱)

ایک سمجھ دار خاوند کی اپنی بیوی کو چار اہم نصیحتیں:

ایک خاوند نے اپنی بیوی سے پہلی ملاقات میں کہا کہ چار باتوں کا ہمیشہ خیال رکھنا:

(۱) مجھے آپ سے محبت ہے، اسی لیے میں نے آپ کو بیوی کے طور پر پسند کیا؛ لیکن میں ایک انسان ہوں، فرشتہ نہیں؛ لہٰذا اگر کسی وقت میں غلطی کر بیٹھوں تو چشم پوشی اور نظر انداز کردینا۔ جب اللہ تعالیٰ غلطی کو معاف کرنے کا دروازہ بند نہیں کرتے تو انسان کیوں کرے۔

(۲) مجھے کبھی ڈھول کی طرح نہ بجانا۔ یعنی اگر میں کبھی غصے میں ہوں تو میرے سامنے اس وقت جواب نہ دینا۔

(۳) مجھ سے راز و نیاز کی ہر بات کرنا مگر لوگوں کے شکوے اور شکایتیں نہ کرنا۔

(۴) دیکھنا دل ایک ہی ہے، یا تو اس میں محبت سما سکتی ہے یا پھر نفرت۔ ایک وقت میں دو چیزیں نہیں سما سکتیں۔ (صفحہ ۲۲۳، ۲۲۴)

عورت کی پاکدامنی، مرد کی نظر میں:

مرد عورت کی ہر غلطی معاف کر سکتا ہے، لیکن اس کی پاکدامنی سے متعلق غلطی کو معاف نہیں کرتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ خود بھی اسی گناہ میں ملوث ہوگا اور چاہے گا کہ میری غلطی معاف ہو جائے لیکن جب بیوی سے یہ گناہ سرزد ہو جائے تو کسی قیمت پر اس کو رکھنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ (صفحہ ۲۲۴)

ایک خاوند اپنی بیوی سے کیا کیا چاہتا ہے؟*

عورتیں یہ بات ذہن میں رکھیں کہ مرد کی ہمیشہ یہ چاہت ہوتی ہے کہ وہ گھر آئے تو بیوی کا ہنستا مسکراتا چہرہ دیکھنے کو ملے تاکہ اس کے باہر کے غم ختم ہو جائیں۔ (صفحہ ۲۲۵)

مرد یہ بھی چاہتا ہے کہ عورت اس کی خدمت گزار ہو، رحم دل ہو اور درگذر کرنے والی ہو۔ (صفحہ ۲۲۵)

جب مرد کی عمر زیادہ ہو جاتی ہے تو اس وقت اس کی چاہت ہوتی ہے کہ بیوی اس کے اوپر اعتماد کرے۔

موقع محل کی بات:

عقل مند بیویاں ہمیشہ اپنے خاوندوں کے دلوں کو جیتتی ہیں، بات اتنے اچھے انداز سے، برموقع اور برمحل کرتی ہیں کہ خاوند کے دل میں اتر جاتی ہیں۔ (صفحہ ۲۳۷)

شوہر کا دل جیتنے کے طریقے: (تلخیص صفحہ ۲۲۶ تا صفحہ ۲۴۰)

(۱) خاوند کے ساتھ بات ہمیشہ نرم لہجے میں اور عزت کے صیغے میں کرے۔

(۲) عورت اپنے اندر صبر اور تحمل پیدا کرے۔

(۳) کفایت شعاری اختیار کرے۔

(۴) ہر حال میں شوہر کا ساتھ دئے۔

(۵) نیکی کی زندگی اختیار کرے۔

(۶) خاوند کی ناشکری نہ کرے۔

(۷) خاوند کے سامنے ہر وقت تر وتازہ رہے۔

(۸) الوداع اور استقبال کے لمحات کو خوب تر بنائے۔

☆ خاوند جب گھر سے رخصت ہونے لگے تو بیوی ہمیشہ دروازے تک جائے اور مسکراتے ہوئے نیک تمناؤں اور دعاؤں کے ساتھ اس کو رخصت کرے، آخری لمحے کی اس کی مسکراہٹ خاوند کو پورا دن یاد رہے گی، اسی طرح جب خاوند گھر آئے تو عورت کاموں میں کتنی ہی مصروف کیوں نہ ہو، چند لمحوں کے لیے اپنے آپ کو فارغ کر کے مسکراتے ہوئے سلام کے الفاظ کے ساتھ اپنے خاوند کا استقبال کرے۔

(۹) خاوند کی ضرورت پوری کرنے سے انکار نہ کرے۔

شوہر کو گھائل کرنے کے لیے بیوی کے چند ہتھیار: (تلخیص صفحہ ۲۴۱ تا صفحہ ۲۴۵)

آنکھوں کا ہتھیار:

☆ مسکراتی آنکھیں ہمیشہ دل جیت لیتی ہیں، لہٰذا اپنے میاں کو ہمیشہ نرم اور محبت بھری نگاہوں سے دیکھا کریں۔

باتوں کا ہتھیار:

☆ خاوند کے سامنے موقع محل کے مناسب پیار کی بات کہہ دینا، دل کے خوابیدہ تاروں کو چھیڑ دیتا ہے۔

☆ ہم نے یہ دیکھا کہ فرنگی عورتیں اپنے خاوندوں کے ساتھ محبت والفت کے جذبات کہنے میں حد سے زیادہ کھلی ہوتی ہیں جب کہ مسلمان عورتیں اس میں حد سے زیادہ کنجوس ہوتی ہیں۔

☆ یاد رکھنا جو بیوی اپنے خاوند سے بولنے والی نہیں ہوگی، اس کی زندگی خوشیوں بھری نہیں ہوگی، سارے جہان کے لیے آپ گونگی بن جائیں مگر اپنے میاں کو تو اپنے احساسات اور جذبات

پہونچائیں۔

☆ میٹھے بول بولیے، اپنے خاوند کا دل جیت لیجیے۔

☆ ایک بات یاد رکھنا کہ اپنے خاوند کی تعریف کرنا عیب نہیں، بلکہ بہت بڑی نیکی اور صحابیات کی سنت ہے۔

خوشبو کا استعمال:

☆ قدرتی بات ہے کہ مرد ہو کہ عورت، خوشبو ہر ایک کو اچھی لگتی ہے، ہمارے محبوب علیہ السلام نے خوشبو کو پسند فرمایا۔لہٰذا آپ ہمیشہ اچھی خوشبو استعمال کریں۔

ہاتھوں کی کنجی:

☆ جب آپ کسی موقعے پر بات کرتے ہوئے اپنے ہاتھ خاوند کے ہاتھ میں دے دیں گی، یا اپنا ہاتھ خاوند کے کندھے پر رکھ دیں گی تو خاوند پر آپ کی بات کا اثر ہی کچھ اور ہوگا، اس میں اپنائیت اور محبت آجائے گی۔

محبت بھرا بوسہ:

☆ یہ بوسہ ایسی گونگی چیز ہے کہ سب کچھ کہہ دیتا ہے، اور دنیا جہان کا پیغام پہنچا دیتا ہے۔اسی لیے اگر کبھی دیکھیں کہ دلوں میں کدورت محسوس ہو رہی ہے تو اللہ رب العزت کی اِس نعمت کا استعمال کیجیے اور اس کے ذریعے محبت کا پیغام پہونچا دیجیے۔

اداؤں کے تعویذ:

☆ یاد رکھنا کہ عورت اگر نیکوکار، سمجھ دار ہو تو اس کی ہر ادا مرد کے لیے تعویذ ہوتی ہے، اللہ نے مرد کے دل میں عورت کی کشش ہی ایسی رکھ دی ہے۔کاغذ کے تعویذوں کے پیچھے کیوں بھاگتی ہو، تمہیں تو اللہ نے اداؤں کے تعویذ دیے ہیں، ان کو کیوں نہیں استعمال کرتیں۔

جنتی عورت کی نشانیاں:

☆ خاوند سے محبت کرنے والی۔

☆ زیادہ بچے جننے والی۔

☆ ناراضگی کے وقت شوہر کو منانے والی۔(صفحہ ۲۵۲)

خاوند کو مٹھی میں کرنے کا طریقہ:

☆ خاوند کو مٹھی میں کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے خاوند کی باندی بن جاؤ، پھر خاوند تمھاری محبت کی وجہ سے تمہارا غلام بن جائے گا۔(صفحہ ۲۶۶)

☆☆☆

سلوک کی ڈاک

سلسلہ نمبر (۲)

ہدایۃ السالکین

سوال نمبر (۱): کبھی کبھی کوتاہی کی وجہ سے یا مصروفیات کی وجہ سے ایک دو دن مراقبہ چھوٹ جاتا ہے تو تیسرے دن اس چھوٹے ہوئے مراقبہ کی بھی قضا کر لیتا ہوں کیا یہ درست ہے؟

جواب: یہ اصول ذہن میں رکھیں کہ چاہے دین کا کام ہو یا دنیا کا کوئی کام، ناغہ کی وجہ سے اس میں بے برکتی ہو جاتی ہے۔اس لیے ناغہ نہ کریں۔

اگر روزآنہ ایک گھنٹہ مراقبہ کرنے کا معمول ہے اور کبھی مصروفیات کے سبب وقت نہیں مل پایا تو کم از کم آدھا گھنٹہ یا بیس منٹ ہی مراقبہ کر لیں۔لیکن معمول کو بالکل ہی چھوڑ دینا درست نہیں۔ہاں اگر واقعی کوشش کے باوجود مراقبہ کا معمول پورا نہ کر سکیں تو دوسرے دن اس چھوٹے ہوئے مراقبہ کی قضا کر لیں۔ان شاء اللہ امید ہے کہ اللہ پاک رحمت کا معاملہ فرمائیں گے۔

سوال نمبر (۲): بیعت ہو کر سات سے آٹھ ماہ ہوئے ہیں، مراقبہ روزآنہ پچیس/تیس منٹ ہوتا ہے؛ لیکن ہفتے میں ایک آدھ ناغہ ہو جاتا ہے، ساتھ ہی حالت یہ ہے کہ ہفتے میں ایک بار فحش فلمیں دیکھنے کا گناہ ہو جاتا ہے بہت پریشان ہوں، اصلاح اور رہنمائی کا طلب گار ہوں۔

جواب: بنیادی بات یہ یاد رکھیں کہ ایک دن کے ناغہ سے چالیس دن کی برکت ختم ہو جاتی ہے، بلاشبہ آپ روزآنہ آدھا آدھا گھنٹہ مراقبہ کر رہے ہوں گے (اور یہ بھی بے شک اللہ کی بڑی توفیق ہے) لیکن ہفتے میں جو کبھی کبھار ناغہ ہو جاتا ہے تو اس کے برے اثرات ضرور پڑیں گے، یہ بھی یاد رکھیں برائی کا اثر جلدی ہوتا ہے اور دیر تک باقی رہتا ہے اور اس کے مقابلہ میں نیکی کا اثر دیر سے ہوتا ہے اور جلدی ختم ہو جاتا ہے۔

لہٰذا ہفتے میں ایک یا دو دفعہ ناغہ کرنا بھی بے برکتی کا باعث بنے گا۔یہ ناغہ ہی انتہائی نقصان دہ

ہے اور اسی وجہ سے گناہ بھی ہوجاتے ہیں اور گناہ سے تو سب کچھ ضائع ہوجائے گا؛ اس لیے روزآنہ پابندی سے مراقبہ کرنا لازمی ہے، اگر کسی دن زیادہ مشغولیت ہوتو مکمل ناغہ کرنے کے بجائے کم از کم ۱۰ یا ۱۵ منٹ کا ہی مراقبہ ضرور کرنا چاہیے۔

بہتر یہ ہے کہ اپنے اوپر لازم کیا جائے؛ بلکہ فرض سمجھا جائے کہ مراقبہ روزآنہ کرنا ہے، جس دن آپ ناغہ کرتے ہیں تو ہوسکتا ہے کوئی اہم مصروفیت کی وجہ سے ناغہ ہوا ہوگا؛ لیکن آپ بجائے ناغہ کرنے کے کم از کم ۱۰ منٹ کا مراقبہ کرلیں ۱۵ منٹ کا کرلیں۔ آپ یہ سوچ کر کہ آج آدھا گھنٹہ نہیں ہوسکتا لہٰذا آج چھٹی ہی کردی جائے ایسے نہ کریں یہ غلط ہوگا، آپ ۱۰ منٹ ۱۵ منٹ سہی مراقبہ کریں۔ پھر ان شاء اللہ گناہ ختم ہوجائیں گے؛ کیوں کہ یہ بات یقینی ہے کہ ”قطرہ قطرہ دریا شود“ ایک ایک قطرہ پانی دریا بنتا ہے تو روزآنہ جب بلاناغہ مراقبہ ہوگا: إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ (سورۃ الاعراف: آیت ۵۶)

”اللہ کی رحمت نیکی کرنے کی کوشش اور اس کے لیے محنت کرنے والوں کے قریب ہے“ ان شاء اللہ اللہ محروم نہیں کریں گے اور گناہوں سے جان چھوٹے گی۔

سوال نمبر (۳): مراقبہ کرنے میں ناغہ ہورہا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں میں شامل ہونے کی آرزو ہے، دعا کی درخواست ہے۔

جواب: پہلے آپ مراقبہ پابندی سے کریں، پھر دعا کی درخواست کریں۔

ہاں! کوشش کے باوجود اگر مراقبہ پابندی سے نہیں کر پارہے ہیں تو اس کے لیے بھی دعا کی درخواست کی جاسکتی ہے۔ یہ درست نہیں ہے کہ معمولات اور اس میں بھی خاص طور پر مراقبہ جیسا اہم معمول پابندی سے نہ کریں اور دعا کی درخواست کریں۔

سوال نمبر (۴): مراقبہ میں یکسوئی نصیب نہیں ہوتی ہے، کیا ایسی صورت میں تیس منٹ کا مراقبہ دو مرحلوں میں (۱۵، ۱۵ منٹ) کرسکتے ہیں؟

جواب: یکسوئی نہ ملنے سے مراد اگر یہ ہے کہ ایک وقت کم از کم آدھا گھنٹہ بھی فارغ نہیں مل پارہا ہے تو ایسی صورت میں مختلف اوقات میں آدھا گھنٹہ مراقبہ کرسکتے ہیں۔

اور اگر یکسوئی نہ ملنے سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی وقت جم کر بیٹھنے میں دل نہیں لگ رہا ہے تو پھر طبیعت پر جبر کر کے بیٹھنا ہوگا۔ اس لیے کہ سالک جب پہلے پہل مراقبہ کرتا ہے تو عادت نہ ہونے کے سبب اس کے لیے مسلسل بیٹھنا دشوار ہوتا ہے اور تھوڑا سا وقت بھی بہت زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ لیکن ایسے موقع پر ہمت کر کے اگر بیٹھا رہے تو پھر ان شاء اللہ مراقبہ کا اصل فائدہ حاصل ہوگا اور گھنٹوں اللہ کی یاد میں بیٹھنا آسان ہوگا۔

سوال نمبر (۵): ہر نماز کے بعد دس منٹ مراقبہ کرنا بہتر ہے یا ایک وقت میں آدھا گھنٹہ کرنا بہتر ہے؟

جواب: ہمارے حضرت جی قُدِّسَ سِرُّہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ منٹوں کے مراقبہ کے بجائے گھنٹوں کا مراقبہ زیادہ مفید ہوتا ہے، اس لیے آدھے گھنٹے کا مراقبہ ایک ساتھ کرنا زیادہ بہتر ہے؛ لیکن اگر کسی کو اتنا وقت ایک ساتھ نہیں مل پاتا تو ناغہ کرنے کے بجائے ہر نماز کے بعد دس منٹ کا مراقبہ بھی کر سکتے ہیں؛ لیکن لمبے مراقبے کے لیے وقت نکالنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ خاص طور پر تعطیل کے ایام میں تو لمبے لمبے مراقبے کر کے پورے ہفتے کی تلافی کر لینی چاہیے۔

سوال نمبر (۶): معمولات میں یکسوئی حاصل ہونے اور فون کے بے جا استعمال سے حفاظت کے لیے دعاؤں کی درخواست ہے۔

جواب: دعا تو ضرور کریں گے کہ اللہ تعالیٰ آسان فرمائے۔

لیکن ظاہری اسباب کے درجہ میں ایک نسخہ بھی بتاتے ہیں۔ وہ یہ کہ اپنے گھر میں اپنی بیوی کو اپنی مصلحہ اور نگران بنالیں، موبائل فون کا بے جا استعمال خود بہ خود کم ہو جائے گا اور میاں بیوی آپس میں وقت طے کر کے ایک ساتھ مراقبہ کے لیے بیٹھیں اس سے یکسوئی حاصل ہو جائے گی ان شاء اللہ۔ اس لیے کہ ہمارے حضرت جی قدس سرہ اکثر یہ ارشاد فرماتے تھے کہ نیک بیویاں اچھے کاموں میں اپنے خاوندوں کی معاون ہوا کرتی ہیں؛ لہٰذا آپ بھی اپنے نیک کاموں میں اپنی بیوی کو معاون بنائیں۔

سوال نمبر (۷): شیطان استقامت کے ساتھ معمولات پر عمل کیوں نہیں کرنے دیتا۔ اس کی اصل وجہ کیا ہے؟

جواب: شیخ سے انفرادی ملاقات کر کے اپنے احوال بتائیں، ان شاء اللہ رکاوٹ کے اسباب کا پتہ چلے

گا۔ دراصل سلوک میں چلنے میں رکاوٹ جو پیش آتی ہے اس کے اسباب ہر شخص کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس کے لیے شیخ کو احوال بتانا ضروری ہے، تب پتہ چلے گا۔ ویسے شیطان پر الزام لگا دینا آسان ہے اصل تو اندر میں چور چھپا ہے (نفس) وہ انسان کو نیکی پر آنے نہیں دیتا۔

سوال نمبر (۸): اللہ پاک کی سچی محبت کتنے اسباق طے کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے؟

جواب: آدمی اگر خلوصِ دل سے مراقبہ کرے اور مراقبہ میں آداب وہدایات کی بھی پابندی کرے تو پہلے سبق پر بھی اللہ پاک کی محبت نصیب ہو سکتی ہے۔ سبق بڑھنے کی نیت سے زیادہ مراقبہ نہیں کیا جاتا، مراقبہ کی کثرت اس نیت سے ہونی چاہیے کہ ہمیں اللہ پاک کی سچی پکی محبت نصیب ہو جائے۔

سوال نمبر (۹): راہِ سلوک میں اسباق درجہ بہ درجہ کس طرح حاصل کیے جاتے ہیں؟

جواب: سالک جس قدر لمبے لمبے مراقبے کرے اور پھر اسباق کے اثرات بھی اس پر مرتب ہوں، اسی قدر اس کو اسباق کے اعتبار سے ترقی نصیب ہوگی۔ یہ کوئی کورس نہیں ہے کہ چند مہینوں یا چند سالوں میں مکمل کر لیا جائے یا کروا دیا جائے بل کہ کبھی کبھار سالہا سال تک سالک پہلے ہی سبق میں اٹکا ہوا رہتا ہے اور کوئی سالک ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدھ مہینے میں ہی اس کے لطائف کے اسباق مکمل ہو جاتے ہیں۔ اسباق میں ترقی کے لیے بنیادی اصول یہ ہے کہ گھنٹوں کے (لمبے لمبے) مراقبے کیے جائیں اور گناہوں سے بچنے کا مکمل اہتمام ہو۔

☆☆☆

اصلاحی وتربیتی منظوم کلام

سلسلہ نمبر (۲)

یہ ہے مرا اعزاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

از: شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ

یہ دل کی ہے آواز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
اس پر ہے مجھے ناز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

کچھ ہونا مرا، ذلت و خواری کا سبب ہے
یہ ہے مرا اعزاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

آئے گا سمجھ میں نہ کسی اہلِ خرد کی
یہ عشق کا ہے راز، کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

یہ نعمتِ عظمیٰ، مجھے ملتی نہ کبھی بھی
ہے عشق کا اعجاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

تیرے کرمِ خاص پہ سو جان سے قرباں
میں اس سے ہوں ممتاز، کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

فیضانِ محبت ہے مبارک ہو مبارک
اب دل نہیں ناساز، کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

احمد ترا ہر نغمہ ہے پیغامِ محبت
دل کش ہے یہ آواز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

کر نفس کا مقابلہ ہاں بار بار تُو
سو مرتبہ بھی ہار کے ہمت نہ ہار تو
اس کو پچھاڑ کے بھی نہ پچھڑا ہوا سمجھ
ہر وقت اس پچیت سے رہ ہوشیار تو

نہ چِت کر سکے نفس کے پہلواں کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے
اَرے اِس سے کُشتی تو ہے عمر بھر کی
کبھی وہ دبا لے کبھی تو دبا لے

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی
بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے
یہ رشتہ محبّت کا قائم ہی رکھے
جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

(کشکولِ مجذوب)